بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام اور عورت

نوشتہ

جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب

مصنف "اسلام اور عبادت" و "پتھر سے ہیرا" وغیرہ

جسے

حقوق اشاعت حاصل کرکے

ملا محمد واحدی، اڈیٹر رسالہ نظام المشائخ، دہلی

نے

مرزا محبوب بیگ صاحب کے محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

(قیمت فی جلد دس آنے علاوہ محصولڈاک)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اول

تمہید

دنیائے انسانی کی تقریباً نصف آبادی اس صنف سے تعلق رکھتی ہے جسے "صنف نازک" یا "صنف لطیف" کہا جاتا ہے" اور جسے خوشامد اور تملق کی راہ سے اہل یورپ نے "صنف احسن" کا خطاب دے رکھا ہے۔ گو عملاً ہم یہی دیکھتے ہیں کہ "خان بہادر" اور "رائے بہادر" کے "بہادر" کی طرح عورتوں کے اس خطاب میں بھی لفظ "احسن" کو بالکل مہمل اور بے معنی ہی خیال کیا جاتا ہے، اور کسی ملک کے مرد بھی واقعتاً اس کے لئے تیار نہیں ہیں کہ عورت کو اپنے سے بہتر مخلوق تصور کریں۔ بہر حال اعلیٰ ہو یا اسفل، اور مرد اسے اپنے سے اچھا خیال کریں یا بُرا، عورت انسانی دنیا کا ایک ایسا جزو ہے جس کی اہمیت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے، اور جس کی عدم موجودگی میں یہ دنیا دنیا نہیں رہ سکتی۔ ہندوستان کا دستور اساسی مرتب کرتے وقت جبکہ مسلمانوں کی اقلیت کی اہمیت سے، بلکہ مسلمان تو بہت ہیں، پارسیوں اور سکھوں کی مٹھی بھر تعداد سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ تمام دنیا کی پوری آدھی آبادی کو یک قلم نظر انداز کر دیا جائے۔ کوئی قانون مکمل کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا، اور کسی قوم یا ملک کو اُس وقت تک حقیقی امن میسر نہیں آ سکتا جب تک کہ وہ اپنی

آبادی کے دونوں نصفوں کا پورا پورا خیال نہ رکھے اور دونوں کے حقوق کا بدرجۂ اتم تحفظ نہ کرے۔

(بدقسمتی سے مذاہب عالم میں سے اکثر نے اس کمزور فریق کے حقوق کا جسے طفل تسلی کے طور پر دھوکا دینے کے لئے نازک، لطیف، یا احسن کہہ دیا جاتا ہے کافی حد تک خیال نہیں رکھا ہے بلکہ اس کے حقوق کی حفاظت تو درکنار عام طور پر یہی دیکھا جاتا ہے کہ اس کے حقوق کو دل کھول کر پامال کیا ہے اور بعض نے تو اسے انسانی نسل کا ایک جزو تسلیم کرنے سے بھی صاف انکار کر دیا ہے) - دنیائے نسوانی کے ساتھ یہ کھلی ہوئی بے انصافی اس خدا کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی جو رب العالمین ہے اور جسے اپنی چھوٹی سے چھوٹی اور حقیر سے حقیر مخلوق سے بھی محبت ہے اس لئے مجبوراً یہی ماننا پڑیگا کہ بعض مذہبی کتابوں میں عورت کی جو تذلیل کی گئی ہے اور اس کے وجود کو دنیا کے لئے ذریعہ شرم اور انسان کے لئے باعث مصیبت بتایا گیا ہے وہ صرف بعض خودغرض مردوں کی کارپردازی ہے اور چونکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ پرانے پرانے مذہبوں کی اکثر و بیشتر کتابیں اب اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں ہیں اور ان میں بہت کچھ تحریف ہو چکی ہے۔ اس لئے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں عورت کے حقوق کی جو بیدردانہ پامالی کی گئی ہے وہ خدا کی بے انصافی کا نہیں بلکہ مردوں کی خودغرضی کا نتیجہ ہے)۔ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ اور کسی طرح یقین نہیں آسکتا کہ وہ عادل و منصف خدا جس نے تمام دوسرے جانداروں کے نر اور مادہ میں اس کے سوا اور کوئی فرق نہیں رکھا ہے کہ ایک کے قویٰ دوسرے سے کچھ یونہی سے بہتر ہیں، انسانی جماعت کے لئے اپنے عدل و انصاف کو چھوڑ کر اشرف المخلوقات کی آدھی آبادی کو محض اس سبب سے ارذل ترین مخلوق کا خطاب دیدیتا کہ وہ نر ہونے کے بجائے مادہ ہے۔ تمام دنیا کی مذہبی کتابوں کے لئے ہمارے دل میں سچا جذبۂ احترام موجود ہے، لیکن ہم یہ تسلیم کرنے کے لئے کسی طرح بھی تیار نہیں ہو سکتے کہ ان مذہبوں

کے بعض نفس پرست علماء نے جو جو کچھ اپنی طرف سے ان کتابوں میں لکھ دیا ہے اسے بھی خدا کی طرف منسوب کر کے اس ذات باری کے عدل و انصاف پر تہمت لگائیں۔

بہر حال وہ جس کسی نے بھی لکھ دیئے ہوں لیکن یہ واقعہ ہے کہ پرانے مذہبوں کی کتابوں میں ایسے احکام اور ایسے اقوال عورت کے متعلق موجود ضرور ہیں کہ جنھیں پڑھ کر خود ان کتابوں پر ایمان رکھنے والوں کو آج شرم آتی ہے، اور ان کی انسانیت انھیں مجبور کرتی ہے کہ ان احکام میں سے ایک کی بھی پابندی نہ کریں۔ آج جن قوموں کو سب سے زیادہ اس بات کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے عورت کو اس کے تمام حقوق دے رکھے ہیں اور اسے کامل و مکمل آزادی عطا کر دی ہے، ان کی مذہبی کتاب کو اٹھا کر اگر پڑھا جائے تو افسوس کے ساتھ ان حقیقتوں کا علم ہوتا ہے کہ فرقہ نسواں کو ہمیشہ کے لئے ذلیل، تباہ، اور برباد کرنے کے لئے ان میں برے سے برے اور سخت سے سخت احکام موجود ہیں، اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی ایسی عورت جس میں تھوڑی سی بھی خودداری ہو کس طرح ان کتابوں کو خدا کی کتابیں سمجھ کر ایمان لا سکتی ہے، اور اگر ایمان لے آتی ہے تو جس خدا کی یہ کتابیں ہیں اس کے متعلق اس کے عقائد کیا ہوتے ہیں۔

دنیا کے تمام دوسرے جاندار چونکہ عقل و خرد سے عاری ہوتے ہیں، اور چونکہ وہ اس دنیا میں اپنی زندگی فطرت کے ان قانونوں کے ماتحت بسر کرنے پر مجبور رہتے ہیں جو مہربان اور فیاض فطرت انہیں سکھا دیتی ہے اس لئے ان میں ہمیں نر اور مادہ کا یہ فرق اور یہ امتیاز کہیں دیکھنے کو نہیں ملتا جو عقل کے پتلے اور اپنی غرض کے دیوانے انسان نے مقرر کر لیا ہے اور جس میں "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے اصول کے مطابق مرد نے کہ جس کے ہاتھ میں لاٹھی ہے اور جو قوائے جسمانی کے لحاظ سے عورت پر کسی قدر فوقیت رکھتا ہے، اپنی من مانی کارروائی کی ہے، اور ہر جگہ اور ہر موقعہ پر غریب اور کمزور عورت ہی کے حقوق غصب کئے ہیں۔ ایک شیر ایک شیرنی پر، ایک گھوڑا ایک گھوڑی پر، ایک کبوتر ایک کبوتری پر ایک خفیف سی فوقیت ضرور رکھتا ہے جو اپنے بہتر قوائے کی وجہ سے اسے حاصل ہے، لیکن یہ کبھی دیکھنے میں نہیں آتا کہ

شیرنی، گھوڑی اور کبوتری اپنے نر کے بالمقابل ذلیل اور لائقِ محض خیال کی جاتی ہو۔ تمام جاندار دنیا میں اگر نر ایک خاص حیثیت رکھتے ہیں تو مادہ بھی بالکل اتنی ہی اہم اور اپنی مخصوص حیثیت رکھتی ہے اور تمام مخلوق الٰہی کے متعلق فطرت کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر بہ آسانی یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کی نگاہ میں نر اور مادہ کی تفریق کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ دنیائے انسانی میں جن مذہبوں نے مادہ کو ذلیل اور ناقابل التفات مخلوق بتایا ہے یا کم از کم مرد کے ہاتھوں اس کی تذلیل و تحقیر کو روا رکھا ہے انھیں اور سچا ہے جو کچھ کیا جائے لیکن مذہب فطرت نہیں کہا جا سکتا اور جو مذہب دنیائے انسانی میں عالمگیر مقبولیت کا خواہشمند ہے اُسے مجبور ہونا پڑے گا کہ انسانی فطرت سے اغماض نہ برتے۔

ایک بادشاہ اور ایک فقیر میں دنیاوی حیثیت کے لحاظ سے زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے، لیکن کیا انسان ہونے کے لحاظ سے بھی ان میں سے ایک کو برتر اور دوسرے کو کمتر کہا جا سکتا ہے؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ بہت سے جلیل القدر بادشاہوں نے بعض موقعوں پر بینوا فقیروں کے قدموں پر سر جھکائے ہیں اور یہ صرف اس لئے کہ ایک انسان کو دوسرے انسان پر اپنی دولت و طاقت کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف انسانیت کے جوہروں کی بدولت مجد و شرف حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت کی دنیاوی حیثیت میں تو اس سے ہزاروں گُنا کم فرق ہوتا ہے جو ایک شاہ اور ایک گدا میں ہے پھر بھلا فطرت کا انصاف اسے کس طرح گوارا کر سکتا ہے کہ دونوں صنفوں میں سے ایک کو مکروہ، ذلیل اور قابل نفرت چیز خیال کر لیا جائے۔

تکمیل انسانیت کے لئے نر اور مادہ کا وجود بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسے ایک ترازو کے دو پلڑوں کا۔ یہ تو ممکن ہے کہ ان میں سے ایک سونے کا بنا ہوا ہو اور ایک لوہے کا لیکن یہ بالکل ناممکن ہے کہ وزن کے لحاظ سے ان میں سے کوئی سا ایک دوسرے سے کم ہو سکے یا یہ کہ کسی ایک کے بغیر تنہا دوسرے سے ترازو مکمل ہو جائے۔ ایک مرد

اور ایک عورت سے مل کر دنیائے انسانی کا ایک وجود مکمل ہوتا ہے ان میں سے دونوں وزن اور اہمیت کے لحاظ سے بالکل برابر ہوتے ہیں اور کسی ایک کو اگر ملعون اور مسترد کردیا جائے تو تنہا دوسرے جزء سے انسانیت کی تکمیل نہیں ہو سکتی، اور عقل سلیم کسی طرح اس بات کو قبول نہیں کرتی کہ کسی مشین کے دو پرزوں میں سے ایک کو عزیز اور ایک کو ذلیل بنا دیا جائے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ جو مذہب انسانی ترازو کے ایک پلے گویا انسانی مشین کے ایک پرزے کو ذلیل اور قابل نفرت بتاتے ہیں وہ خلاف فطرت بھی ہیں اور خلاف عقل بھی۔

سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ انسانی فطرت اور انسانی عقل دونوں عورت کی عزت و توقیر کرنے پر مائل تھیں تو پھر صورت حال کی یہ خرابی نما ہی کیوں ہوتی کہ عام طور پر ہر قوم نے اور بہت سے مذہبوں نے اس کے وجود کو مرد کے لئے ایک لعنت قرار دیدیا۔ یقیناً یہ ایک اہم سوال ہے اور اس کا جواب دل خراش ہونے کے باوجود بہت کچھ دلچسپ بھی ہے۔ ابتدائے آفرینش سے یہ کیفیت نہ تھی۔ اور اگر سب سے پہلی عورت سے یہ قصور سرزد ہوا تھا کہ وہ شیطان کے بہکانے میں آگئی تھی اور اس طرح اپنی کم عقلی کا ثبوت دیا تھا تو سب سے پہلے مرد کا دامن بھی بالکل اسی قسم کے الزام سے پاک نہ تھا اور وہ بھی منع کر دیئے جانے کے باوجود اپنی بیوی کے کہنے میں آکر شجر ممنوعہ کا پھل کھا لینے کا مجرم بنا تھا، اور کون کہہ سکتا ہے کہ اس معاملہ میں حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت حوا سے زیادہ عقلمندی یا پابندی احکام الٰہی کا ثبوت دیا۔

ابتدائی زمانہ کا انسان اپنی زندگی بالکل اسی طرز پر بسر کرتا تھا کہ جس طرح اور تمام جانور بسر کرتے ہیں، اور ایک مرد اور ایک عورت میں وہ فرق نہ تھا جو آج کل ہے۔ فطرت نے کسی مادہ کو مجبور اور معذور نہیں پیدا کیا ہے، اور ہر جانور کی مادہ اپنے لئے اسی قدر آسانی سے خوراک تلاش اور مہیا کر سکتی ہے کہ جس طرح نر کرتا ہے۔ فطرت نے جانوروں میں

کسی ایک نر کو بھی اس بات پر مجبور نہیں کیا ہے کہ وہ اپنے علاوہ اپنی مادہ کے لئے بھی غذا تلاش کر کے لائے۔ اُڑنے والے جانور ہوں یا زمین پر چلنے والے اور گوشت کھانیوالے ہوں یا گھاس پتی پر گزارہ کرنے والے سب میں یہی قاعدہ اور قانون مروّج ہے کہ نر اپنی غذا تلاش کرے اور مادہ اپنی' البتہ اتنا ضرور ہوتا ہے کہ نر اکثر اپنی محبت جتانے کے لئے مادہ کے لئے تلاش رزق میں کچھ آسانیاں پیدا کر دیا کرتا ہے اور اگر اسے کسی جگہ بہت سا کھانا نظر پڑ جائے تو وہ ہمیشہ مادہ کو بلا کر شریک کر لیتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ فطرتاً کسی جاندار کی مادہ اپنی خوراک کے لئے اپنے نر کی دست نگر اور محتاج نہیں ہے' اور جب وقت تک انسان نے بھی طبعی اور فطری طرز زندگی سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی تھی اسوقت تک عورت بھی اقتصادی نقطۂ نگاہ سے مرد کی غلام نہ تھی۔ وہ مرد کی محبت کی زنجیروں میں ضرور قید ہو جاتی تھی اور قید رہتی تھی' لیکن محبت کے علاوہ کوئی اور ایسی چیز جو خود غرضی یا مطلب پرستی پر مبنی ہو اسے مرد کا غلام نہیں بنا سکتی تھی۔ یہی حالت اگر قائم رہتی تو یہ صورت حال جو ہم آج دیکھ رہے ہیں ہرگز ہرگز رونما نہ ہو سکتی تھی' اور غریب عورت ایسی بے کسی اور بے بسی کے ساتھ کبھی مرد کے پنجہ میں گرفتار نہ رہتی۔

انسان جس قدر متمدّن ہوتا گیا اسی قدر اس میں تقسیم عمل بھی آتی گئی۔ عورت کو اپنے بچوں کی پرورش اور نگہداشت کی وجہ سے گھر پر ٹھہرنے کی زیادہ ضرورت ہوتی تھی اس لئے ایک طرف تو مرد نے اسے خوش کرنے اور اپنی الفت جتانے کے لئے یہ کیا کہ اپنی ضرورت سے کچھ زیادہ رزق مہیّا کیا اور روزانہ لا لا کر تھوڑا سا عورت کو بھی کھلاتا رہا اور دوسری طرف عورت نے اپنے بیکاری یا بچوں کی خدمت گزاری کے اوقات میں مختلف چیزوں کے تجربے کر کے قدرت کے بہت سے راز معلوم کئے اور طرح طرح کی چیزیں ایجاد کرنی شروع کیں۔ غلّہ بونا، مٹّی کے برتن بنانا' ٹوکریاں بُننا' اور کپڑا بُننا سب عورت کی ایجادیں ہیں جنہیں مرد نے اس سے لے کر ترقی دے لی ہے۔ قدرت

کے اسرار کی عقدہ کشائی بہت ہی دلچسپ چیز تھی اس لئے اس میں عورت کا خوب دل لگا۔ اور جب اس نے یہ دیکھا کہ مرد میں اتنی اہلیت موجود ہے کہ دو ہاتھوں اور دو پائوں سے ایک پیٹ کے بجائے دو پیٹوں کی خدمت کر سکے تو وہ خود بھی تلاش معاش میں کسی قدر سستی کرنے لگی، اور اب اس خیال سے کہ کہیں مرد ناراض نہ ہو جائے اور زیادہ محنت کرنے سے گھبرا اٹھے اس نے مرد کو اپنی محبت کے جال میں پھانسے رکھنے کی کوشش شروع کر دی۔ وہی مرد جو ہمیشہ عورت کی رضا جوئی کا متمنی رہتا تھا، اور ہر وقت طرح طرح سے ایسی کوششیں کیا کرتا تھا کہ عورت اس سے خوش رہے۔ جب اس نے یہ حالت دیکھی کہ عورت اس بات سے اسکی جانب زیادہ مائل ہو گئی ہے کہ وہ اس کے لئے خوراک تلاش کر دیتا ہے تو اس نے اپنے مضبوط بازوؤں کی طرف دیکھا اور یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ ان میں کافی طاقت ہے اس نے یہ ارادہ کر لیا کہ روٹی کے عوض میں عورت کی محبت خرید ے۔

ایک انسانی جسم میں دو ہاتھ اور دو پاؤں صرف ایک پیٹ کی خدمت کے لئے بنائے گئے تھے لیکن عورت کی آسان پسندی اور مرد کی خود غرضی نے عورت کے ہاتھوں اور پاؤں کو تو پیٹ کی خدمت سے بالکل آزاد کر دیا اور مرد کے ہاتھوں اور پائوں نے ایک کی بجائے دو دو پیٹوں کی خدمت اپنے ذمہ لے لی۔ بیکاری کی وجہ سے عورت کے بازو روز بروز کمزور اور اسکی ٹانگیں ناطاقت اور ناتواں ہوتی چلی گئیں اور اس کے برخلاف کثرت کار اور روزانہ ورزش نے مرد کے قوائے جسمانی کو بہت زیادہ مضبوط کر دیا۔ اس حالت پر جب بہت سی صدیاں گزر گئیں تو مرد نے نہایت فخر و غرور کیساتھ یہ محسوس کیا کہ وہ فاتح اور غالب ہے اور عورت پر انتہائی رنج و افسوس کیساتھ یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ وہ مغلوب و مفتوح ہے۔ یہ اپنی راحت طلبی اور آسان پسندی کیوجہ سے چند روٹیوں کی خاطر اپنی آزادی بیچ چکی تھی اور اس نے اپنی تھوڑی سی محنت کے بدلہ میں اپنے ہی جیسے ایک انسانی وجود کو اپنا غلام بنا لیا تھا۔

ممکن ہے کہ احساس پیدا ہونے پر عورت کو یہ صورت حالات ناگوار گزری ہو اور اُسے اس میں تبدیلی کی خواہش پیدا ہوئی ہو لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ مرد کی جسمانی فوقیت اور اقتصادی غلبہ کو صدیاں گزر چکی تھیں اور اب عورت کیلئے اپنی گزشتہ عظمت اور ضبط شدہ آزادی کے واپس لینے کا خیال کرنا ہی فضول اور بیکار تھا۔ اس لئے اپنی اس مجبوری کو بھی اچھی طرح پہچانا اور راضی برضا ہو کر اب اپنے دو مؤثر ہتھیاروں سے کام لینا شروع کر دیا۔ جسمانی قوت میں وہ مرد کے مقابلہ سے عاجز تھی لیکن حسن اور دلربائی کی قوتیں اس کے پاس افراط موجود تھیں۔ اب اس نے اپنی تمام قوت اور اپنی تمام کوشش صرف اسی ایک کام پر صرف کرنی شروع کر دی کہ جس طرح بھی ہو کسی ایک مرد کو اپنے حسن و جمال کا شیدا اور اپنے ناز و کرشمہ کا دلدادہ بنائے۔ اپنے حسن کی آرائش کے اس نے نئے نئے طریقے ایجاد کئے۔ آنکھوں میں سرمہ اور کاجل کی سیاہی بھری، مانگ میں سیندور کی سرخ سرخ تحریر بنائی، بالوں کی چمک زیادہ کرنے کے لئے طرح طرح کے تیل اور پومیڈ استعمال کرنے لگی، چہرہ پر سیاہ اور سرخ رنگ سے مصنوعی تل بنائے، ہونٹوں کو پان، دنداسی، اور رنگ سے رنگ رنگ کر لعل و یاقوت کو شرما دیا۔ گورے رنگ کی کلائیوں کا حسن دوبالا کرنے کی غرض سے ان پر نیلے رنگ کے پھول گدوائے کمر اور سینہ پر ڈگڈگی کی شکل کا کارسیٹ یا سینہ بند باندھا تا کہ کمر سے اوپر اور نیچے کا جسم خوب چوڑا اور کمر خوب پتلی نظر آئے، پاؤں چھوٹے چھوٹے اور نازک بنانے کے لئے اس حد تک مبالغہ کیا کہ پیدا ہوتے ہی لڑکی کے پاؤں میں لوہے کے جوتے ڈال دیئے گئے تا کہ وہ بڑھنے ہی نہ پائیں اور عورت کے جسم میں پاؤں نہ ہونا اور اسکا چلنے پھرنے سے معذور ہونا حسن میں داخل ہو گیا، اور طرح طرح کے زیورات سے بدن کو آراستہ کرنے کے لئے ناک اور کان میں بیسیوں سوراخ کرائے گئے۔ یہی نہیں بلکہ مرد پر یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ہم تمہاری لونڈیاں ہیں ناک میں نتھ اور بلاق کے نام سے نکیل، کانوں میں بالیوں کے نام سے حلقہائے غلامی، اور ہاتھوں اور پیروں میں چوڑیوں اور پازیبوں کے نام سے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال لی گئیں۔

اور ان تمام باتوں سے بڑھ کر یہ کہ بالکل نکمّی اور سست اور مطلقاً اپاہج بن جانے کا نام نزاکت رکھ دیا گیا۔ جس طرح آج ہندوستانی اپنے آقاؤں اور حکمرانوں کو خوش کرنے کے لئے خود اپنے ہاتھوں اپنی غلامی کی زنجیروں کو روز بروز زیادہ مضبوط کرتے چلے جاتے ہیں اور ہم میں سے بہت سوں کے لئے یہی چیز باعث فخر بن گئی ہے کہ ہم بہترین غلام ہیں بالکل اسی طرح عورت کی بھی یہی ذہنیت ہو گئی کہ وہ مرد کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل ترین مخلوق ظاہر کرے اور اپنے پیٹ کی خاطر مرد کی طاقت اور مرد کے ہر جائز و ناجائز حکم کے آگے سر بہ سجود رہے۔

عورت خوش تھی کہ اس نے اپنی ان ترکیبوں سے مرد کو بے وقوف بنا کر اپنے جال میں پھانس لیا ہے، لیکن ہوشیار اور چالاک مرد ان باتوں کو خوب سمجھتا تھا۔ اس نے عورت کے اس اظہار عقیدت کی خوب قدردانی کی تاکہ وہ اور بھی زیادہ اپاہج اور بیکار ہو جائے اور پورے طور پر اس کی گرفت میں آ جائے۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہی نکلنا چاہئے تھا اور یہی نکلا بھی کہ عورت اپنا تمام شرف انسانیت دو روٹیوں کی خاطر بیچ کر اقتصادی طور پر مرد کی غلام بن گئی اور ایک ایسے پنجرے میں پھنس گئی جس کا دروازہ مقفل اور تیلیاں بیحد مضبوط تھیں۔ فطری اور طبعی تقسیم عمل میں اب فرق آ گیا اور گو اب بھی عورت گھر کا اور مرد باہر کا کام کرتے تھے لیکن اب عورت گھر کے کام کو اپنا کام سمجھ کر نہیں کرتی تھی بلکہ مرد کا کام خیال کر کے ایک فرمانبردار کنیز کی طرح روٹی اور کپڑے کے بدلہ میں کرتی تھی۔ اب خانہ داری کا عمدہ انتظام کر کے اسے اس بات پر فخر نہ ہوتا تھا کہ اس نے اپنے حصّہ کے کام کو نہایت خوبی سے انجام دیا ہے بلکہ اب گھر کے کاموں پر وہ جس قدر توجہ اور محنت صرف کرتی تھی تو اس سے اس کا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ اس طرح وہ مرد کو خوش کر سکیگی اور وہ اُس کے جال سے نہ نکل سکے گا۔ اب مرد و عورت کے کاموں کی تقسیم یہ ہو گئی کہ مرد تو محنت و مشقت کر کے روپیہ کمائے اور عورت اپنے سنگار سے، اپنی اداؤں سے اور

اپنی مصنوعی محبت کی باتوں سے اس کا دل لبھائے۔ اپنے لئے ایک مرد تلاش کر لینا عورت کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہو گیا اور دنیائے انسانی کی نصف آبادی کی تمام قوتِ عمل اور وقت صرف اتنے سے کام پر صرف ہونے لگا کہ مختلف آرائشوں، نئی نئی وضع کے لباسوں، اور طرح طرح کی گفتار اور رفتار کی اداؤں کے ذریعہ سے ایک ایسی انسانی ہستی کو اپنا گرویدہ بنا لیا جائے جو حسن کی ان جلوہ باریوں کو اور ناز و انداز کے ان کرشموں کو چند روٹیوں اور تھوڑے سے کپڑے کے بدلہ میں مہنگا نہ خیال کرے۔ چین کی ایک شہزادی سے ایک انگریز خاتون نے ایک مرتبہ بڑے تعجب اور ہمدردی کا اظہار کر کے پوچھا کہ شاہزادی صاحب آپ لوگوں میں پیدا ہوتے ہی لڑکی کے پاؤں میں لوہے کا جوتا کیوں ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ تو بہت ہی تکلیف دہ اور قابلِ افسوس رسم ہے۔ حاضر جواب اور نکتہ سنج شہزادی نے فوراً کہا کہ بہن اس مصیبت میں تو ہم تم اور تمام دنیا کی عورتیں سب برابر کی شریک ہیں۔ تمہیں بھی خاوند کی تلاش کرنی پڑتی ہے، اور ہمیں بھی۔ تم خاوند کو پھانسنے کے لئے اپنی کمر کو ایسے زور سے کستی ہو کہ سانس پیٹ میں نہیں سماتا اور اوپر کا اوپر ہی چلا کرتا ہے، اور ہم اپنے پاؤں کو اس حد تک دباتے ہیں کہ وہ بڑا نہیں ہونے پاتا۔ بہر حال مقصد ایک ہی ہے اور جب تک ایک عورت ایک مرد کی غلام ہے اس وقت تک اُسے اسی طرح اپنے بدن کا کوئی نہ کوئی حصہ خراب اور بیکار کرنا پڑیگا۔ دنیا میں بہت سی تہذیبیں پھیلیں اور مٹ گئیں، اور بہت سے تمدن رائج ہوئے اور فنا ہو گئے۔ لیکن غریب، بے کس، اور بے بس عورت آج بھی اسی طرح مرد کی غلامی کر رہی ہے اور انہی شکنجوں میں اور اسی پنجرے میں بدستور قید ہے۔ آج بھی اس کا مطمحِ نظر نئی نئی وضع کے لباس، اور عجیب عجیب قسم کی آرائشیں اور زیورات ہیں اور یہ سب صرف اس لئے کہ اسے کسی نہ کسی طرح ایک ایسے بے وقوف کو پھانسنا ہے جو اس کے حسن کی دلکشیوں کے بدلہ میں اُسے روٹی اور کپڑا دیدے۔ اگر یہ مصیبت صرف کنوارپنے تک محدود رہتی تب بھی صبر کر لیا جاتا، لیکن ایک بے وقوف کو پھانس لینے کے بعد اسے ہمیشہ پھنسا رکھنا بجائے خود ایک مقصد ہو جاتا ہے، بلکہ بہت سی "دور اندیش" عورتیں تو اپنے خاوند کے علاوہ اور بھی دو چار

یا دس بیس مردوں کو اپنے حسن کا دلدادہ بنائے رکھتی ہیں تاکہ اگر موجودہ خاوند فوت ہو جائے یا کسی دوسرے حسین جسم کی دل کشی اُسے اپنی طرف متوجہ کرے تو وقت نہ اٹھانی پڑے اور بآسانی پھر ایک نیا بے وقوف مل جائے۔ تہذیب یافتہ دنیا کی عورت آج کل بعینہٖ ایک خوبصورت اور خوشنما تیتری ہے جو کلی کلی رس لیتی پھرتی ہے، اور اب اسے جفاکش شہد کی مکھی بننا کسی طرح گوارا نہیں جو صبح سے شام تک شہد کا ذخیرہ جمع کرنے میں مصروف رہتی ہے۔ عورت کی یہ زندگی ہرگز فطری اور طبعی نہیں ہے اور ہر وہ زندگی جو غیر فطری طرز پر گزاری جائے اس کا ناکام رہنا لازمی اور یقینی ہے۔

تہذیب اور تمدن کے مدعی آج اٹھ اٹھ کر اسلام پر اور بانی اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے رہتے ہیں کہ اسلام نے عورت کا درجہ پست اور ذلیل کر دیا ہے اور طلاق اور تعدد ازدواج کی اجازت کا نام لے کر شور مچاتے ہیں کہ یہ عورت پر ظلم ہے۔ عورت کو جس آزادی کی حقیقتاً ضرورت ہے وہ اقتصادی آزادی ہے۔ تقریباً تمام دنیا نے اسے اس کے اس جائز حق سے محروم کر رکھا ہے، اور قریب قریب ہر ایک مذہب نے اس کی اس آزادی کی طرف سے بے اعتنائی برتی ہے۔ دنیا بھر کے مرد خواہ وہ "تہذیب و ترقی یافتہ" یورپ کے باشندے ہوں یا "نامہذب" مشرق کے عورت کو اپنا محکوم اور اپنا دست نگر بنانے میں یکساں کوشاں رہے ہیں، اور یورپ کی موجودہ تہذیب نے تو اسے سوائے اس کے دنیا کے کسی اور مصرف کا رکھا ہی نہیں کہ صبح سے شام تک اپنے حسن و جمال کی آرائش میں مصروف رہا کرے۔ اور طرح طرح کی ادائیں اور نئے نئے سنگار دکھا دکھا کر ایک نہیں بلکہ متعدد مردوں کا دل لبھایا کرے۔ اس نے یہ دیکھ کر کہ مرد کو اس کی مردانہ ادائیں بہت بھاتی ہیں، اپنی نسوانی وضع ہی کو نہیں، بلکہ سرے سے نسوانیت ہی کو خیرباد کہنا شروع کر دیا ہے۔ اس کے سائے کا دامن اونچا ہوتے ہوتے نصف ران تک پہنچ گیا ہے اور کرتے کا گریبان نیچا ہوتے ہوتے نصف سینے تک آ چکا ہے۔ درمیانی جسم کا تھوڑا سا حصہ گو ابھی اکثر حالتوں میں کپڑے سے پوشیدہ نظر آتا

ہے" لیکن دامن کی اونچائی اور گریبان کی نیچائی بڑھتے بڑھتے اس درمیانی خلیج کو بھی دور کردے گی، اور ایک مختصر سی جماعت میں تو یہ خلیج دور ہو بھی چکی ہے۔ جرمنی میں "محض قدرتی لباس" پہننے والیوں کی تعداد اچھی خاصی قابل لحاظ حد تک پہنچ گئی ہے، اور اس کی روزافزوں ترقی یقین دلاتی ہے کہ وہ دن دور نہیں ہے جبکہ یورپ کی عورتیں ہر قسم کی پوشاک اور لباس سے قطعاً بے نیاز ہو جائیں۔ مرد بننے کے شوق میں، یا یوں کہیئے کہ مردوں پر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اُنہیں مردوں کی وضع سے انتہائی الفت ہے یورپ کی عورتوں نے زلف دراز کو اس درجہ مختصر کر دیا کہ داستان شب ہجر ہونے کے بجائے اب وہ صرف ایک افسانہ ماضی بن گئیں۔ یہی نہیں بلکہ مدت العمر کی تقسیم عمل کو چھوڑ کر اور تمدن کے دائمی قوانین کو توڑ کر انھوں نے گھر کے کام کاج اور بچوں کی پرورش و تربیت میں دلچسپی لینی ترک کر دی اور اس کی بجائے مختلف مردانہ پیشے اختیار کرنے شروع کر دیئے تاکہ ہر دفتر میں، ہر دوکان پر، ہر ہوٹل میں، ہر تفریح گاہ میں غرضیکہ ہر اُس موقع پر کہ جہاں مرد موجود ہوں وہ بھی اُن کے ساتھ جلوہ فرما ہیں، اور مردوں کو لبھانے اور اپنے دام فریب میں لانے کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا موقعہ بھی ایسا نہ رہ جائے کہ جس سے وہ فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔ یورپ کے مردوں نے بھی یہ دیکھا کہ اس میں خود اُن کا اپنا ہی فائدہ ہے اس لئے عورتوں کے ان مشق ناز کے مواقع کا نام عورتوں کے حقوق رکھ دیا اور انتہائی فیاضی کے ساتھ یہ حقوق انہیں دیدیئے تاکہ ہر جگہ اور ہر موقع پر عورتوں کے لطف صحبت سے فائدہ اُٹھا سکیں، اور دفتروں کے بے کیف گھنٹے یا کارخانوں اور عدالتوں کی بے مسرت اور تھکا دینے والی خشک زندگی بھی کسی کی چشم مخمور اور لب جان بخش کی بدولت سرور افزا اور حیات پرور بن جائے۔ مردوں کا دل لُبھانے اور مردوں کو خوش کرنے کے لئے "مہذب" ملکوں کی عورت نے صرف اپنی وضع قطع ہی میں تبدیلی نہیں کی ہے

بلکہ یہ دیکھ کر کہ مرد کو اکثر اسکا بچوں میں گھرا ہونا اور خود بچوں کا شوروغل پسند نہیں آتا اس نے اپنے اس فرض سے بھی سبکدوشی حاصل کرنے کی ٹھان لی جو افزائش نسل کے متعلق قدرت نے اس کے ذمّہ لگایا تھا۔ اب اسے فیشن ایبل دنیا کے ڈاکٹر اس بات کا فتوے دیدیتے ہیں کہ بچوں کا پیدا ہونا تمہاری صحت کے لئے اور تمہارے حسن گلوسوز کے لئے مضر ہوگا اور اس عذرِ لنگ کی بنا پر وہ ہر امکانی کوشش کرتی ہے کہ اُس کے ہاں بچہ نہ پیدا ہونے پائے۔ "غیر مہذب" دنیا زیادہ سے زیادہ نسل کشی پر فخر کیا کرتی تھی لیکن "مہذب" دنیا کو آج اپنی نسل کُشی پر فخر و ناز ہے اور یورپ اور امریکہ سے بہت سے ماہانہ رسالے صرف اسی ایک مضمون پر نکل رہے ہیں کہ بچوں کی پیدائش کو روکا جاسکے اور ایسے ذرائع ایجاد کئے جائیں کہ ایک ایسا وجود دنیا میں آنے ہی نہ پائے جس پر اگرچہ فطرتًا اور طبعًا عورت کی جان جاتی ہے لیکن جو مرد کو ایک حد تک نامرغوب ہے۔ مادریت کا وہ جوہر عالی جو عورت کی فطرت میں ودیعت کیا گیا تھا اور جس کی وجہ سے اس میں یہ تمام لچک، نزاکت، نرمی اور متحمل مزاجی پائی جاتی تھی اب یورپ کی عورت کے پاس باقی نہیں رہا ہے اور بالکل ایک مرد کی طرح سخت دل اور دباؤ قبول نہ کرنے والی بنجانا اس کے لئے اب صرف چند صدیوں کی بات رہ گئی ہے، اور "مہذب" ممالک کے لئے وہ وقت سب سے زیادہ منحوس ہوگا جب وہاں لوہے اور سونے کی بجائے لوہے سے لوہا ٹکرائے گا، اور اس وقت اپنی تہذیب پر ناز...... اور اپنی چالاکیوں پر فخر کرنے والے مرد سر پر ہاتھ رکھکر روئیں گے کہ ہم نے اپنی خود غرضیوں پر کیسی گراں بہا چیز کو قربان کردیا اور اپنے بہترین رفیق زندگی کو اپنی غلطیوں اور ہوس پرستیوں کی بدولت اپنا مد مقابل، اپنا حریف، اور اپنا دشمن بنالیا۔

عورتوں کی صحبت سے زیادہ سے زیادہ لطف اُٹھانے کے موقعے خود اپنے لئے مہیا کرنے کا نام یورپ نے "عورتوں کو آزادی دینا" رکھا ہے اور اسلام پر یہ اعتراض

ہے کہ اس نے عورتوں کے یہ "پیدائشی حقوق" غصب کر لئے ہیں۔ "نسوانیت" اور "مادریت" کے اعلےٰ ترین جوہروں سے عورتوں کو یکسر محروم بنا دینے کو یورپ اپنی اصطلاح میں "عورتوں کی ترقی" کہتا ہے اور عورت کو "کامل عورت" نہیں بلکہ "ناکمل مرد" بنا دینے پر بلا ذرا بھی شرمائے ہوئے یہ فخر کرتا ہے کہ اس نے عورت کے ساتھ بڑا بھاری احسان کیا ہے یورپ کی عورت اب ہرگز "عورت" نہیں رہی ہے، اور اب وہ خانہ داری کے معاملات اور بچوں کی پرورش و تربیت کے متعلق اپنی ہنرمندی اور سلیقہ شعاری پر فخر نہیں کیا کرتی بلکہ اب اسے اس بات پر فخر ہوتا ہے کہ وہ خوب تیرنا جانتی ہے، بہت عمدگی کے ساتھ کرکٹ اور فٹ بال وغیرہ کھیل سکتی ہے، موٹر چلانے میں اچھی طرح ماہر ہے، اور ہوائی جہاز میں بیٹھ کر اڑنے سے اس کا دل نہیں ڈرتا۔ اب اس کے دل کو اس خیال سے مسرت نہیں ہوتی کہ اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا جس کسی نے کھایا وہ انگلیاں چاٹتا رہ گیا بلکہ اب اسے اس میں لطف آتا ہے کہ اس نے خود اپنے شوہر کے ساتھ نہیں بلکہ دوسروں کے شوہروں کے ساتھ بیٹھ کر کسی بڑے سے بڑے ہوٹل میں "عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا نہیں" بلکہ "مرد کے ہاتھ کا پکا ہوا" کھانا کھایا۔ وہ اب اسی میں خوش ہے کہ لندن اور پیرس کے "مرد" درزی جو بھدی سے بھدی یا اچھی سے اچھی وضع کا لباس اس کے لئے تیار کر دیں اسے پہنکر وہ اتراتی پھرے۔

کسی عورت کا کلیتہً "مرد بن جانا تو ناممکن ہے اس لئے یورپ کی عورت بھی خواہ کتنی ہی "ترقی" کیوں نہ کرے کبھی اور کسی حالت میں بھی مرد نہیں بن سکتی۔ اپنی نسوانیت کے بہترین اور مایۂ ناز جوہروں کو کھو کر افسوس ہے کہ اب وہ عورت بھی نہ رہی اور صحیح معنوں میں اس مثل کی مصداق ہو چکی ہے کہ "دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا"۔ یورپ کی عورت کی حالت ہو بہو ان ہندوستانیوں کی سی ہے جو انگریزوں کی وضع و لباس وغیرہ میں تقلید کر کے انگریز بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ انگریز کبھی نہیں بن سکتے اور کبھی ایسا دن

نہیں آسکتا کہ انگریز انہیں اپنا ہمقوم یا ہم کفو تو درکنار اپنے برابر کی عزت و ذی مرتبہ بھی خیال کرلیں، لیکن ان بے وقوفوں کے انگریز بننے کا یہ نتیجہ ضرور نکل آتا ہے کہ وہ ہندوستانی نہیں رہتے اور اب ان کی زندگی تمام تر اس بات پر منحصر رہ جاتی ہے کہ مکر، فریب، اور جھوٹی خوشامد کے ذریعہ سے انگریزوں کی ایک "نگاہ کرم" حاصل کریں اور دین ایمان قوم اور وطن سب کچھ بیچکر انگریزوں کی خوشنودی مزاج خریدیں۔ اگر ان ہندوستانیوں کو "آزاد" کہا جا سکتا ہے اور اگر یہ ذلیل ترین قسم کی غلامی نہیں ہے تو یقیناً یورپ کی عورتوں کو بھی مبارکباد دیجا سکتی ہے کہ وہ بالکل "آزاد" ہیں اور مردوں نے ان سے ان کے نسوانی جوہر چھین کر انھیں اپنا ذلیل ترین غلام نہیں بنایا ہے۔ لیکن اگر "انگریز پرست" ہندوستانیوں کی یہ ضمیر فروشی ان کی پست ترین غلامانہ ذہنیت کی مظہر ہے تو بلا اندیشۂ تردید کہا جا سکتا ہے کہ جس سفاکی اور بے دردی سے یورپ نے عورتوں کے حقوق کی پامالی کی ہے اور انہیں بجز مرد کی ہوسناکیوں کی غلامی کرنے کے اور کسی مصرف کا نہیں رکھا ہے اس کی مثال شاید دنیا کی تاریخ میں کسی دوسرے ملک میں نہیں مل سکتی۔ گڑ میں لپیٹ کر مینگ اور شکر میں لپیٹ کر کونین کھلانا یورپ کو خوب آتا ہے، اور یہ واقعہ کس قدر افسوسناک ہے کہ وہاں کے مردوں نے حقوق اور آزادی عطا کرنے کے نام سے عورت سے اس کی اپنی خوبیاں اور خصوصیتیں بھی چھین لیں اور اسے ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد کردیا۔

کتاب کا مقدمہ کسی قدر طویل ہوگیا، اور حقیقتاً اس جگہ اسلام کے احکام کا دوسرے مذاہب کے احکام سے یا دوسرے ممالک کے رسم و رواج سے مقابلہ کرنا مقصود بھی نہ تھا۔ یہ مختصر سی کتاب لکھی ہی اس غرض سے گئی ہے کہ ناواقفوں کو یہ بتایا جا سکے کہ اسلام نے عورت کا مرتبہ کیا سمجھا ہے اور اسے کتنی آزادی اور کیسے کیسے حقوق دیئے ہیں۔ مجھے اس کے تسلیم کرلینے میں ذرا سا بھی تامل نہیں ہے کہ عام طور پر آج کل مسلمانوں کا جو برتاؤ عورتوں کے ساتھ ہے وہ کچھ زیادہ قابل تعریف نہیں ہے، لیکن یہ اگر

قصور ہے تو مسلمانوں کا ہے نہ کہ اسلام کی تعلیم کا۔ مسلمانوں کی جہالت نے جہاں انہیں اور صدہا نقصانات پہنچائے ہیں وہاں ایک شدید ترین نقصان یہ بھی پہنچایا ہے کہ وہ اپنے مذہب کی تعلیمات سے بالکل بے خبر ہیں یا اگر خبردار ہیں تو صرف اس طرح کہ اسلام نے چار تک نکاح کر لینے کی اجازت دی ہے۔ یہ اجازت کن شرائط کے ماتحت ہے، اور اس میں کیا عجیب و غریب مصلحتیں پنہاں ہیں۔ اس سے انہیں کچھ واسطہ اور کچھ بحث نہیں۔ اگر مسلمان آج مسلمان ہوتے تو اس کتاب کے لکھنے کی ضرورت ہی کیا پیش آتی۔ ہر مسلمان کی زندگی اسلام کی تفسیر ہوتی اور اس کھلی ہوئی کتاب کو دیکھ کر ہر شخص اسلام کی خوبیوں سے واقف اور اسکی سادگیوں کا دلدادہ بنجاتا لیکن بد قسمتی سے ایسا نہیں ہے اور اب حالت اس درجہ خراب ہو چکی ہے کہ غیروں کو نہیں، بلکہ خود مسلمانوں کو بتانا پڑ رہا ہے کہ اسلام کیا چیز ہے اور اس کے پاک احکام کا کیا مقصد ہے۔

اپنی بساط سے بہت زیادہ بڑا یہ کام میں نے شروع تو کر دیا ہے لیکن جب اپنی بے علمی اور ہیچ میرزی پر نگاہ جاتی ہے تو دل کانپ اٹھتا ہے۔ خدائے پاک سے دعا ہے کہ وہ ان کمزور ہاتھوں کو اتنی طاقت بخش دے کہ وہ اس مہم کو سر انجام دے سکیں۔

"سعید"

دوسرا باب

دوسرے مذہبوں میں عورت کا درجہ

قبل اس کے کہ میں اس بات کی توضیح اور تشریح کروں کہ اسلام نے عورت کی حیثیت کیا رکھی ہے نامناسب نہ ہوگا اگر دوسرے مذاہب کے احکام پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔ ہندوستان آنے سے پہلے مسلمانوں کو یا تو عیسائیوں سے واسطہ پڑا تھا یا یہودیوں سے اور پرانے مذہبوں میں یہی دو مذہب ایسے تھے جن کے پیرو اس وقت کی مہذب دنیا میں ہر چہار جانب پھیلے ہوئے تھے۔ ہندوستان میں انہیں ہندو مذہب سے بھی سابقہ پڑا جو اپنی قدامت کے لحاظ سے ان دونوں مذہبوں سے بھی آگے تھا اور مستثنیات کو چھوڑ کر اگر دیکھا جائے تو اسلام کی تبلیغ اکثر و بیشتر انہی تین مذہبوں کے پیرووں میں کی گئی ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے تو نام صراحت کے ساتھ کلام مجید میں موجود ہیں اور مسلمانوں کو بتا دیا گیا ہے کہ یہ خدا کے سچے اور برگزیدہ پیغمبر تھے۔ لیکن باقی اور تمام قوموں کے متعلق بھی مسلمانوں کو یہ خبر دے دی گئی ہے کہ خدا نے ان میں بھی اپنی طرف سے ہدایت کرنے والے بھیجے تھے اور "لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ" پر ایمان رکھنے والے مسلمان اس بات پر مجبور ہیں کہ ہر مذہب کے متعلق جس میں کچھ بھی صداقت اور حق پرستی پائی جاتی ہو یہ یقین رکھیں کہ اس کا بانی خدا کا بھیجا ہوا کوئی پیغمبر تھا۔ ہندو دھرم کا بیشتر حصہ آج ہمیں بت پرستی اور اوہام پرستی میں مبتلا نظر آ رہا ہے لیکن ان کے مذہبی احکام میں ہمیں بہت سی باتیں ایسی ملتی ہیں جو حق و صداقت پر مبنی ہیں اور جو توحید الٰہی کی جانب اشارہ کرتی ہیں اسلئے گمان غالب یہی ہوتا ہے کہ جسطرح یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے اپنے مذہبوں کی اصلی تعلیمات کو بھلا کر ایک نے حضرت عزیرؑ کو اور دوسرے نے حضرت عیسےٰؑ کو خدا اور خدا کا بیٹا بنا لیا

اسی طرح ہندوؤں نے بھی توحید کے اس سبق کو بھلا دیا ہے جو اُن کے پیغمبر نے انہیں سکھایا تھا۔ اور جہالت اور نادانی میں مبتلا ہو کر بتوں، درختوں، دریاؤں اور جانوروں کی پوجا کرنے لگے۔

توریت اور انجیل بھی آج اپنی اصلی صورت وحالت میں نہیں دستیاب نہیں ہوتیں اور اسی طرح وید اور شاستر بھی غالباً انسانی تصرفات کا شکار ہو چکے ہیں۔ توریت کے نسخے بار بار متعصب عیسائیوں کے ہاتھوں آگ کی نذر ہوئے اور اب جو چیز توریت کے نام سے مشہور ہے وہ چند انسانوں کی یادداشت کی بدولت از سرِ نو ترتیب دی گئی ہے اور انجیل میں جو کچھ تصرفات کئے گئے ہیں وہ تو علی الاعلان کئے گئے ہیں۔ بالکل اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ویدوں میں بھی انسانی ہاتھوں نے اپنے حسب منشاء یا حسب ضرورت زمانہ تحریف کی ہو اور وہ بھی اپنی اصلی شکل وصورت میں اب باقی نہوں، کیونکہ عورت کے متعلق جو احکام ان میں ملتے ہیں اور جو خیالات ان میں پائے جاتے ہیں وہ کسی طرح بھی ایسے نہیں معلوم ہوتے کہ انہیں اس خدا کی طرف منسوب کیا جائے جو اپنی ذلیل ترین مخلوق کو بھی عزیز رکھتا ہے۔ بہرحال وہ اصلی تعلیم ہو یا نقلی، اس وقت جو تعلیم عورت کے متعلق توریت، انجیل اور ویدوں میں ملتی ہے وہ ضرور ایسی ہے کہ اس کی بنا پر یہودی، عیسائی اور ہندو اپنی عورتوں کے ساتھ جس قدر سختی بھی کرتے کم تھی، اور جتنا برا برتاؤ بھی کرتے جائز تھا۔ مشہور فرانسیسی مؤرخ ڈاکٹر گستاؤ لیبان نے اپنی کتاب "تمدن عرب" میں جہاں اسلام کے تعددِ ازدواج کی اجازت سے بحث کی ہے وہاں وہ لکھتے ہیں کہ "ہندوؤں کا قانون کہتا ہے کہ تقدیر، طوفان، موت، جہنم، زہر، زہریلے سانپ ان میں سے کوئی بھی اس قدر خراب نہیں ہے جتنی عورت" اسی کے ساتھ وہ انجیل کی تعلیم بھی ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں کہ "عہد قدیم کے باب وعظ میں لکھا ہے کہ" جو کوئی خدا کا پیارا ہے وہ اپنے کو عورت سے بچائے گا۔ ہزار آدمیوں میں میں نے ایک خدا کا پیارا پایا ہے لیکن دنیا بھر کی عورتوں میں میں نے ایک عورت بھی ایسی نہیں پائی جو خدا

کی پیاری ہو"۔ منوجی کے قانون میں عورت کے متعلق یہ الفاظ ہمیں نظر پڑتے ہیں کہ "عورت بچپن میں باپ کی مطیع ہے جوانی میں خاوند کی، اور خاوند کے مرجانے کے بعد اپنے بیٹوں کی اور اگر بیٹے نہ ہوں تو اپنے اور دور رشتہ داروں کی، کیونکہ کوئی عورت ہرگز اس لائق نہیں ہے کہ خود مختارانہ زندگی بسر کر سکے"۔

جن مذہبوں نے اپنے معتقدوں کو یہ تعلیم دی ہو کہ عورت زہر اور زہریلے سانپ سے بھی زیادہ بری ہے، یا یہ کہ خدا کا پیارا وہی ہے جو عورت سے کوئی تعلق نہ رکھے یا یہ کہ عورت کسی حالت میں بھی اس قابل نہیں ہے کہ ذمہ دارانہ زندگی بسر کر سکے بلکہ اسے بہرحالت و بہر صورت ایک گائے، بکری یا گھوڑی کی طرح کسی نہ کسی مرد کا مطیع و منقاد رہنا چاہئے، ان مذاہب کے پیروؤں سے کس طرح یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ عورت کو انسانی دنیا کا ایک جزو یا اپنی زندگی میں برابر کا شریک تصور کریں گے اور اسے اس کے وہ حقوق دیدیں گے جو فطرت نے اسے دیئے تھے۔ ان احکام کی بناء پر مختلف قوموں میں عورت کی جو جگہ گت بنی اور جس قدر اس کی تذلیل کی گئی وہ بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔ یہ صرف قیاسات نہیں ہیں بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ اس قسم کی تعلیمات سے اثر پذیر ہو کر ہر قوم کے مردوں نے غریب عورت پر ایسے ایسے ظلم کئے ہیں کہ جن کے صرف خیال سے دل لرز اٹھتا ہے اور روح کانپ جاتی ہے۔ اہل یونان کا مقولہ تھا، اور ممکن ہے کہ کسی قدر تخفیف کے ساتھ شاید اب بھی ہو، کہ سانپ کے کاٹے کا تو علاج ہو سکتا ہے لیکن عورت کے کاٹے کا منتر نہیں ہے۔ سقراط جیسے فاضل حکیم کا قول ہے کہ "عورت سے زیادہ فتنہ و فساد کی کوئی چیز دنیا میں پیدا نہیں ہوئی ہے"۔ وہ عورت کو ایک زہریلے درخت سے تشبیہ دیتا ہے جو دیکھنے میں تو بہت ہی خوبصورت ہے لیکن اگر کوئی جانور اسے کھالے تو فوری موت لاحق ہو جاتی ہے۔ اسی کا مقولہ یہ بھی ہے کہ ذلیل اور ظالم مرد مرنے کے بعد عورت بن جاتے ہیں۔ عیسوی دنیا کے مذہبی پیشواؤں

نے بھی عورت کے خلاف دل کھول کر زہر اگلا ہے۔ یوحنا جیسے عیسائی بزرگ فرماتے ہیں کہ "عورت شر کی بیٹی ہے اور امن وسلامتی کی دشمن ہے"۔ گریگری اعظم نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے اور عورت کی جبلت میں بچھو کا سا زہر اور اژدہے کا سا کینہ بتایا ہے۔ عورت کے متعلق بہت سے مذہب عیسوی کے پیشوا اس رائے میں متفق ہیں کہ وہ "شیطان کا آلہ" ہے "کذب وباطل کی بیٹی" ہے اور "امن کی دشمن" ہے۔

پیشوایان مذہب کی یہ زہر بھری تعلیمات بیکار نہ گئیں، اور سولھویں اور سترھویں عیسوی صدی کی تاریخ ایسے ہزاروں جانگزا واقعات سے پُر ہے جن میں اکثر بیگناہ اور بے قصور، اور بعض اوقات خفیف سی خطا اور فروگزاشت پر غریب عورتوں کو طرح طرح کی ایذائیں دے کر قتل کر دیا گیا۔ عورتوں کو واجب القتل قرار دینے کے لئے بس یہ کافی تھا کہ کوئی پادری صاحب ان کے متعلق یہ فتویٰ دیدیں کہ وہ جادوگرنیاں ہیں۔ اس الزام کے بعد نہ کسی تفتیش کی ضرورت باقی رہتی تھی اور نہ تحقیقات کی، اور بلا تکلف عورتوں اور بچوں کو یا تو ذبح کر دیا جاتا تھا یا زندہ آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ خیر الگزینڈر اور لوئی دہم جن کے عہد حکومت میں عورتوں پر ناگفتہ بہ مظالم توڑے گئے وہ تو مرد تھے لیکن ملکہ الیزبتھ تو خود عورت تھی اور اس کی حکمرانی کے زمانہ میں بھی ہزاروں عورتیں صرف اس الزام کی پاداش میں کہ وہ ساحرہ ہیں زندہ جلا دی گئیں۔ فرانس کی مایۂ صد ناز بیٹی ژوان وارک جس کی حیرت انگیز بہادری اور بے مثل جنگی قابلیت نے فرانس کو انگلستان کی غلامی سے بچا لیا، اس کا جو دردناک انجام ہوا اسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور حیرت ہوتی ہے کہ ایسی قوم جسے ایک الہامی مذہب کے پیرو ہونے کا دعوےٰ ہو کس طرح ایسے بے رحمانہ اور سفاکانہ افعال کی مرتکب ہو سکتی ہے۔

جہاں تک عورت کے ساتھ برتاؤ کرنے کا تعلق ہے ہندوستان بھی اپنی کارگزاریوں پر کوئی فخر و ناز نہیں کرسکتا۔ دختر کشی کے لئے عرب کی طرح ہندوستان بھی بہت کافی بدنام ہوچکا ہے، اور معزز اور شریف راجپوت اکثر بیٹی کے وجود کو اپنے لئے ذلت کا باعث تصور کرکے اپنے کلیجہ پر پتھر رکھ لیتے تھے اور اسے زندہ کو پیدا ہوتے ہی سپرد خاک کردیتے تھے۔ یہاں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جن میں ایک ایک عورت کے کئی کئی جائز خاوند تھے، اور ایسی بھی جن میں ایک ایک مرد نے محض ہوس رانی اور تفریح طبع کی خاطر صدہا عورتوں کو اپنی بیوی بنا رکھا تھا۔ دیوتاؤں کی نذر بھینٹ کے لئے بھی اکثر غریب عورتیں ہی منتخب کیجاتی تھیں، اور مردہ خاوند کے ساتھ ستی ہوکر جلنا بھی انہی کے لئے مقدر تھا۔ خاوند کے ساتھ انتہائی وفاداری اور مروّت کے ساتھ حد سے بڑھی ہوئی محبت کے جذبات سے مغلوب ہوکر اگر کوئی عورت شوہر کے مرنے کے بعد اپنی جان کھودے اور برضاء و رغبت خود اس کی لاش کے ساتھ جل جائے تو گو اس فعل کو دانشمندی نہ کہا جائے لیکن ایسی سچی محبت کی تعریف ضرور کی جائے گی، لیکن اگر کسی رسم و رواج کی وجہ سے، یا ملکی قانون کی وجہ سے، یا مذہبی احکام کے رو سے عورت اس طرح جل مرنے پر مجبور ہو تو اسے محبت کے شریفانہ جذبہ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، اور ایسے قانون کو جو اس طرح انسانی جانوں کے ساتھ کھیلنا روا رکھے کسی تعریف کا مستحق نہیں سمجھا جاسکتا۔ صرف عورت کا ہی شوہر کیساتھ جلنے پر مجبور ہونا اور شوہر کو یہ آزادی حاصل ہونا کہ وہ ایک بیوی کے مرتے ہی فوراً دوسری کو گھر میں لا بٹھائے اس بات کے بیّن ثبوت ہیں کہ عورت کی جان کو ایک انسان کی جان نہیں خیال کیا جاتا تھا اور عورت کی حیثیت ایک دلچسپ کھلونے سے زیادہ ہرگز نہ تھی جسے جب تک مرد چاہتا اس سے کھیلتا اور جب چاہتا توڑ کر پھینک دیتا۔ ہندوستان میں بھی عورت انسانی سوسائٹی کا ایک اہم جزو نہ تھی بلکہ ایک ایسی فضول اور بے مصرف چیز تھی جس کی زندگی کی قوم کو قطعاً کوئی ضرورت نہ ہو۔

بیویوں کو مال ومتاع کی طرح جوئے کی بازی پر لگا دینا اور ہار جانا بھی اس ملک میں کوئی بری بات نہ تھی اور یہ بھی اسی امر کا مزید ثبوت ہے کہ عورت کی حیثیت روپے پیسے یا لوٹے کٹورے سے زیادہ نہ تھی اور خاوند اسے جوئے میں ہار کر دوسرے کی ملکیت میں دے سکتا تھا۔ نیوگ کا مسئلہ بھی علاوہ ان اخلاقی برائیوں کے جو اس میں پنہاں ہیں اسی حقیقت کو واضح اور آشکارا کرتا ہے کہ عورت کی قدر و منزلت بس اتنی ہی ہے کہ جتنی کسی اوزار یا مشین کی ہو سکتی ہے جس سے مرد کچھ کام لیتا ہو ورنہ انسان ہونے کے لحاظ سے اس کی کوئی وقعت اور کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے۔

خود وہ ملک عرب جس کی قسمت میں سرچشمۂ اسلام بننا لکھا تھا ظہور اسلام سے پہلے عورت کو ذلیل ترین مخلوق خیال کرنے میں کسی اور ملک سے پیچھے نہ تھا۔ وہاں بھی دختر کشی عام تھی اور خونخوار اور جلاد صفت باپ اپنی بیٹیوں کو زبردستی ماؤں کی گود سے جدا کر کے بلا تامل اور بلا تکلف زندہ دفن کر دیتے تھے۔ ایک عرب مرد کے لئے بیویوں کی تعداد کی کوئی حد مقرر نہ تھی اور گھوڑوں اور اونٹوں کی طرح وہ اپنے روپے سے جتنی عورتوں کو رکھنے پر قادر ہوتا رکھ سکتا تھا۔ انتہا یہ تھی کہ عام جائداد کی طرح وہ وارثوں کو ورثہ میں مل جایا کرتی تھی اور وارث اگر چاہتا تو اپنے مورث کی عورتوں سے خود شادی کر لیتا۔ ایک بیٹا اپنے باپ کی بیویوں سے بلا تکلف شادی کر سکتا تھا جبکہ وہ اسے ورثہ میں ہاتھ آ جاتیں۔ بعض موقعوں پر یہ بات لڑکے کی طرف سے نکاح کی شرطوں میں داخل ہوتی تھی کہ اولاد کے طور پر جو لڑکیاں پیدا ہوں گی انھیں قتل کر دیا جائے گا اور خود ماں کو اپنی نوزائیدہ بیٹی کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنے پر مجبور ہونا پڑتا تھا۔

یہ سب تو پرانے زمانہ کی باتیں تھیں اور کہا جا سکتا ہے کہ وہ جہالت اور تاریکی کا زمانہ تھا لیکن اب جبکہ نئی روشنی اور نئی تہذیب نے تمام دنیائے مغربی کو منور کر رکھا ہے اب بھی ہم غریب عورت کی حالت اور حیثیت میں کوئی حقیقی ترقی نہیں دیکھتے

سب سے زیادہ یورپ کو اس بات کا دعوے ہے کہ اس نے عورت کی درستی حال کی طرف توجہ کی ہے اور اکثر نگاہیں اس فریب میں مبتلا بھی ہو جاتی ہیں جب وہ یہ دیکھتی ہیں کہ مشرق کی عورت ابھی تک چار دیواری کے اندر بند رہتی ہے اور مغرب نے اسے ایک بے نتھے بیل کی طرح بالکل آزاد چھوڑ دیا ہے۔ یہ دھوکا صرف اسی وقت تک قائم رہتا ہے جبتک کہ نگاہیں صرف سطحی حالات تک محدود رہیں، لیکن تھوڑی سی گہرائی تک پہنچ جانے والی نظر بلا تکلف دیکھ لیتی ہے کہ یورپ کے چالاک مرد نے لوہے کی بجائے سونے کی زنجیریں عورت کے پاؤں میں ڈالی ہیں، اور معمولی لوہے یا بانس کی تیلیوں کے بجائے اسے سنہری تیلیوں کے پنجرے میں قید کیا ہے۔ جیسا کہ میں پچھلے باب میں عرض کر چکا ہوں، یورپ نے عورت کو اس بات کی تو کامل آزادی دے دی ہے کہ جس طرح اور جس طریقے پر وہ چاہے اپنی نئی نئی اداؤں سے اور اپنے حسن کی پیہم نمائشوں سے مردوں کا دل لبھائے اور مردوں کی تفریح طبع کا سامان بہم پہنچائے لیکن اس خاص بات کے علاوہ اور کسی بات میں نہ وہ آزاد ہے اور نہ اس کی کوئی حیثیت تسلیم کی جاتی ہے۔ اس کا ایک نام رسم کے طور پر رکھ ضرور دیا جاتا ہے، لیکن وہ اپنی مدت العمر یا تو مس اسمتھ رہتی ہے یا مسز براؤن، اور یہ اس بات کا بدیہی ثبوت ہے کہ مغرب اسمتھ اور براؤن کی ہستی تو تسلیم کرتا ہے جو مرد ہیں لیکن اس غریب عورت کی ہستی کو مستقل بالذات ماننے سے انکار کرتا ہے جسے اتفاقات نے اسمتھ کی بیٹی یا براؤن کی بیوی بنا دیا ہے۔ عورت صرف اس قصور کی بناء پر کہ وہ عورت کیوں پیدا ہوئی اپنے اس پیدائشی حق سے محروم ہے کہ اسے نوع انسانی کا ایک فرد شمار کیا جائے اور اسے زید کی گائے یا عمر کی بکری کی طرح فلاں کی بیٹی اور فلاں کی بیوی کہکر نہ پکارا جائے۔

یورپ کی بد نصیب عورت بالکل صحیح اور لغوی معنوں میں مرد کی "شریک زندگی" ہے یعنی یہ کہ وہ اس کی دولت میں اسی وقت تک حصّہ لگا سکتی ہے جبتک کہ مرد

زندہ ہو۔ ادھر خاوند کی آنکھیں بند ہوئیں اور اُدھر بیوی اس کی جائداد اور املاک کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی حقدار نہ رہی کیونکہ یورپ کا "عورتوں کو آزادی دینے والا" اور "عورتوں کے حقوق کی حفاظت وحمایت کرنے والا" قانون مرجانے والے مرد کی تمام جائداد اور اس کے ترکہ کا ایک ایک پیسہ اس کے بڑے بیٹے کا حق سمجھتا ہے، اور اس کی بیوہ کو اور اس کی بیٹیوں کو اس بیٹے یا بھائی کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتا ہے جسے ماں اور بہن سے زیادہ اپنی محبوبہ کی خدمت بجالانے اور اس کی فرمائشیں پوری کرنے پر فخر ہوتا ہے۔ یورپ کے قانون نے اپنی "آزاد" عورت کی حیثیت کا استقلال خاوند کی زندگی کے ساتھ وابستہ کردیا ہے اور خاوند کے مرتے ہی اس کی قدر وقیمت ایک مٹی کے گھروندے کی طرح یکایک زمین پر آپڑتی ہے اور خاک میں مل جاتی ہے، اور سوسائٹی میں اپنے لئے کوئی جگہ یا کوئی عزت حاصل کرنے کے لئے وہ اس بات پر مجبور ہوتی ہے کہ جلد سے جلد اپنے حسن کے ہتھیاروں پر نمود ونمائش اور زیبائش وآرائش کی دھار رکھائے اور کسی نئے "سرپرست" اور "سردھرے" کو تلاش کرے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ کی بیوہ جب ماتمی لباس پہنتی ہے تو اس میں بھی حسن وجمال کی آرائش ونمائش کا بدرجہ اتم خیال رکھتی ہے تاکہ اگر ممکن ہو تو عزاداروں ہی میں سے کسی کی نگاہ کو اپنی طرف متوجہ کرسکے۔ ان تمام دقتوں اور دشواریوں نے یورپ کی عورت کی فطرت بدل دی ہے اور اب وہ کسی ایک مرد سے محبت کرنے کی بجائے ہر مرد کے روپے سے محبت کرنے لگی ہے۔ شادی سے اب اس کا مقصد انسانیت کی تکمیل نہیں ہوتا بلکہ اپنے لئے ایک ایسا بینک تلاش کرنا ہوتا ہے جہاں سے وہ ہر وقت اپنی ضرورتوں کے لئے روپیہ فراہم کرسکے۔ عورت کے اصلی جوہر قربانی اور ایثار نفس ہیں، اور مشرق بالخصوص ہندوستان کی عورتیں ان جوہروں کی جیسی عجیب وغریب مثالیں ہمیشہ پیش کرتی رہی ہیں اور کرتی رہتی ہیں انہیں دیکھ کر یہی کہنا پڑتا ہے کہ مغرب کی عورت اب غالباً عورت نہیں رہی ہے۔ جسمانی لحاظ سے وہ مرد نہیں ہے، اور فطرت وطبیعت کے لحاظ سے اسے عورت

نہیں کہا جا سکتا، اور اس کی اس عجیب حالت کا باعث اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ مغرب کے قابو پرست مرد نے اسے اقتصادی طور پر اپنا ایسا غلام بنا لیا ہے اور کچھ ایسا شکنجہ میں کسا ہے کہ وہ غریب اب اس کے سوا اور کچھ کر ہی نہیں سکتی کہ دن رات اپنی روٹیوں کی خیر منائے اور اپنے عزیز ترین جوہروں کو خود اپنے ہاتھوں مٹائے۔ مغربی عورت اب محبت، خلوص، اور ایثار کا مجسّمہ نہیں ہے، بلکہ چند مصنوعی اداؤں، خوشنما لباسوں، سرخ و سفید سفوفوں، اور دل پذیر خوشبوؤں اور صابونوں کا ایک مجموعہ ہے جس کے لئے اس دنیا میں کوئی کام نہیں ہے، اور اگر وہ کسی مرد کو اپنی دل کشیوں کا شیدا بنانے میں ناکام رہے تو اس سوسائٹی میں اس کے لئے کوئی جگہ بھی نہیں ہے۔ دنیا اسی کو زندہ رکھتی ہے اور زمانہ اسی کی خاطر و مدارات کرتا ہے جس سے کوئی غرض، کوئی مطلب، اور کوئی کام وابستہ ہو، اور جن سے تمام کام چھین لئے گئے ہوں اور جنہیں بالکل نکما اور بے کار بنا دیا گیا ہو ان کی زندگی اگر ہوتی ہے تو کام کرنے والوں کے رحم و کرم پر منحصر ہوتی ہے۔ یورپ اس فن میں بہت استاد ہے۔ اس نے ہم ہندوستانیوں کو بھی اسی طرح آہستہ آہستہ اپنی مصنوعات کا عادی بنا کر اور ہماری ضرورت کی ہر چیز نہایت سستی قیمت پر مہیا کر کے ہمیں بالکل اپاہج اور ناکارہ بنا دیا ہے اور اب تمام دنیا میں نہ ہمارے لئے کوئی کام باقی رہا ہے اور نہ کوئی جگہ، ورنہ جب تک ہم کام کیا کرتے تھے اس وقت تک ہندوستان کی صنعتیں دنیا بھر میں مشہور تھیں اور تمام دنیا کو ہمارے زندہ رکھنے کی ضرورت تھی۔ ہماری آرام طلبی اور آسان پسندی نے اور یورپ کی تھوڑی سی محنت اور جفاکشی نے حالات بالکل بدل دیئے۔ اب یورپ کی تمام دنیا کو ضرورت ہے، اور غریب ہندوستان کی زندگی اپنے حکمرانوں کے رحم و کرم پر منحصر ہو گئی ہے۔ بالکل یہی حالت اور یہی حیثیت یورپ کی عورت کی ہے۔ اپنی عیش پسندی اور مرد کی فریب کاری کی بدولت وہ اپنی خصوصیات کو چھوڑ چکی اب کوئی کام اس سے متعلق نہیں ہے اور وہ انسانی دنیا میں کوئی ذاتی حیثیت نہیں

نہیں رکھتی۔ ظاہری طور پر ہم گھنڈی اور تکمے کا کرتا پہننے والے ہندوستانی بھی سوٹ اور بوٹ سے مکلّف نظر آرہے ہیں، اور مغربی عورت بھی حسین سے حسین لباسوں میں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ عریانیوں میں جلوہ گر نظر آتی ہے، لیکن اس ظاہر کا باطن جو کچھ ہے وہ ہمیں بھی خوب معلوم ہے اور مغربی عورت بھی خوب سمجھتی ہے۔

یہودیوں میں بھی عورت کی کوئی خاص حیثیت نہیں ہے اور توریت عورتوں کے بارے میں اگر کچھ کہتی ہے تو وہ بھی کسی طرح تسلی بخش اور دل خوش کن نہیں ہے۔ روشنی اور تہذیب کے اس قدر عام ہو جانے کے باوجود یہودیوں میں اب تک بھی یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ وہ عورت کی کوئی خاص عزت نہیں کرتے اور اُن کے قوانین میں بھی عورت کے حقوق کی کوئی حفاظت نہیں ہے مختصر یہ ہے کہ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذہبوں نے یا توفی الحقیقت یہ تعلیم ہی دی تھی کہ عورت خدا کی بدترین اور ذلیل ترین مخلوق ہے، یا اگر ایسا نہ تھا تو ان کے پیروؤں نے عورت پر پورا پورا قبضہ اور اختیار حاصل کرنے کے لئے بطور خود اس قسم کے احکام اپنی مذہبی کتابوں میں داخل کر دیئے جن کی رو سے عورت شیطان کا آلہ اور جھوٹ اور فریب کاری کی بیٹی قرار پائے، اور مرد کسی حالت میں بھی اس سے زیادہ اس کی طرف ملتفت نہونے پائیں کہ اسے "پاؤں کی جوتی" خیال کریں جسے جب چاہا پہن لیا اور جب چاہا اُتار پھینکا۔ یورپ کے مردوں نے بہ ظاہر اس کی عزت اور وقعت ضرور بڑھائی ہے اور بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے مرد اپنے مذہب کی تعلیمات کے خلاف عورت کو اپنی زندگی میں برابر کا شریک بلکہ شاید اپنے آپ سے بھی کچھ بہتر خیال کیا کرتے ہیں لیکن یہ صرف ایک دھوکا اور ایک فریب ہے۔ عورت پر ان کی ظاہری شیفتگی اور فریفتگی نے عورت کو کسی مصرف کا نہیں رکھا ہے اور وہ نسائیت کے تمام اعلےٰ جوہر کھو کر مرد تو کیا بن سکتی تھی عورت بھی

باقی نہیں رہی ہے اور چونکہ قانون اس کے کوئی خاص حقوق تسلیم نہیں کرتا اس لئے اس کی حیثیت بالکل ہندوستانی نوابوں اور راجاؤں کے مصاحبوں کی سی ہو گئی ہے جنہیں یہ عزت تو ضرور حاصل ہے کہ ہر وقت نواب صاحب یا راجہ صاحب سے بے تکلفی کی صحبت رہتی ہے لیکن جو اس بات پر مجبور ہیں کہ اپنے پیٹ کی خاطر اپنے آقا اور اپنے ولی نعمت کا دل اپنی باتوں سے بہلایا کریں۔ نہ امور سلطنت میں انہیں کوئی دخل ہوتا ہے نہ ریاست کے انتظامات میں ان کا کوئی حصّہ اور آہستہ آہستہ تمام انسانی خوبیوں اور جوہروں سے محروم ہو کر وہ صرف اسی کام کے رہ جاتے ہیں کہ باتیں بنایا کریں اور روٹی کھایا کریں۔

مجھے اس بات کے تسلیم کرنے میں ذرا سا بھی تامل نہیں ہے کہ فی زمانا مسلمانوں کا برتاؤ بھی عام طور پر عورتوں کے ساتھ ایسا نہیں ہے کہ اسے نمونے کے طور پر پیش کیا جا سکے، لیکن اس کتاب کا موضوع یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کا طرز عمل عورت کے ساتھ کیا ہے بلکہ یہ ہے کہ اسلام نے عورت کو کیا کیا حقوق دیئے ہیں اور اس کا مرتبہ کس قدر بلند رکھا ہے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں جہالت اور مذہب سے بے پروائی عام ہو چکی ہے اور فی صدی پچانوے مسلمانوں کو تو یہ معلوم بھی نہیں ہے کہ ان کے مذہب نے انہیں کیا کچھ سکھایا ہے۔ اسلام آج انسانیت کی تکمیل کا نام نہیں ہے بلکہ صرف چند جسمانی عبادتوں اور زبانی دعاؤں کا نام رہ گیا ہے جن کا مطلب سمجھے بغیر زبان سے دہرا دینا اس کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے کہ انسان مسلمان بن جائے اور اس دنیا میں "خلیفۃ اللہ" کے منصب پر مامور رہے۔ بہت کم مسلمان ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہوں کہ اسلام اس لئے نازل ہوا تھا کہ انہیں اس دنیا میں بہترین طریقہ پر زندگی بسر کرنا سکھائے اور کامل ترین انسان بنائے، بلکہ اس کے برخلاف اکثر اور بیشتر دلوں میں یہ خیال جاگزین ہو گیا ہے کہ ایک مسلمان کو دنیا سے اور اس کی آلائشوں سے کوئی واسطہ ہی نہ ہونا چاہئے اور

اگر وہ صرف اتنا کر لیا کرے کہ وقت آنے پر محض ایک عادت اور رسم کے طور پر نماز کے لئے کھڑا ہو جایا کرے تو پھر تکمیل انسانیت کے لئے کسی اور چیز کی حاجت نہیں رہتی۔ بہر حال حالات اگر خدانخواستہ اس سے بھی بدتر ہو جائیں اور مسلمانوں میں کوئی بھی اخلاقی خوبی باقی نہ رہے تب بھی اس سے اسلامی تعلیم پر کوئی حرف نہیں آتا اور کوئی منصف مزاج شخص مسلمانوں کے قصور کو اسلام کے سر نہیں تھوپ سکتا۔

آیندہ بابوں میں میں یہی بتانے کی کوشش کرونگا کہ اسلام نے عورت کا درجہ انسانی سوسائٹی میں کیا مقرر کیا ہے اور اسے کیا کیا حقوق دیئے ہیں۔ میں جو کچھ لکھونگا وہ کلام مجید کی آیتوں اور احادیث نبوی کے حوالہ سے لکھونگا اور اس میں میری ذاتی رائے کو کوئی دخل نہ ہوگا اور اس سے میرا مقصد یہی ہے کہ ایک طرف تو ان غیر مسلموں کو جو بے دیکھے بھالے اور بے سوچے سمجھے اسلامی تعلیم پر اعتراض کر بیٹھتے ہیں یہ معلوم ہو جائے کہ مذاہب عالم میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے غریب عورت کے حال زار پر توجہ کی ہے اور اسے مرد کی غلامی سے نجات دلائی ہے اور دوسری طرف خود مسلمان جنہوں نے اپنی نفس پرستیوں کی خاطر عورت کے جائز حقوق سے اغماض برتنا شروع کر دیا ہے آگاہ ہو جائیں کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ ہرگز ہرگز اسلامی قوانین کے مطابق نہیں ہے۔ مسلمانوں میں یہ خیال کہ "عورت پاؤں کی جوتی ہے" غیر مسلموں کے ہاں سے آیا ہے اور ایک ایسے مذہب کے لئے جو مذہب فطرت ہونیکا دعوی کرے باعث صد ننگ و عار ہے۔ جسطرح مسلمانوں نے اور تمام احکام اسلام سے بے توجہی اختیار کر لی ہے اور اب مذہب کے نام سے ان میں بہت سی ایسی باتیں رواج پا گئی ہیں جو بعض حالات میں صرف بدعت ہی نہیں بلکہ شرک کے درجہ کو پہنچ جاتی ہیں اسی طرح عورت کے معاملہ میں بھی وہ بیرونی اثرات سے اثر پذیر ہوئے ہیں اور ہوتے جا رہے ہیں۔ ایک منصف مزاج انگریز نے ایک موقعہ پر کہا ہے کہ مسلمانوں کو مذہب نے نہیں بلکہ لامذہبیت نے تباہ کیا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اس خیال کی صداقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

عورت کا درجہ اسلام میں

اس بات کو پورے طور پر سمجھنے کے لئے کہ اسلام نے عورت کو کس قدر پستی سے نکال کر کس قدر عروج پر پہنچایا ہے یہ ضروری ہے کہ ان تمام حالات کو پیش نظر رکھا جائے جن میں تیرہ سو سال پیشتر عورت عام طور پر مبتلا تھی اور جن کا ذکر ایک حد تک تمہیدی باب میں آچکا ہے دنیا میں ایک ملک بھی ایسا نہ تھا جہاں عورت کی کوئی مستقل حیثیت مقرر ہوتا تو درکنار اس غریب کو نوع انسانی کا ایک فرد بھی خیال کیا جاتا ہو۔ ہر جگہ کے مردوں نے اپنے بہتر قویٰ اور عورت کی ہر معاملہ میں دب جانے والی اور ایثار کرنے والی فطرت کی بدولت اس پر پورا پورا غلبہ حاصل کر لیا تھا اور اسے کامل طور پر اپنا محکوم بنا لیا تھا۔ عام اسباب تجارت کی طرح اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی اور مذہبی احکام کے مطابق اس کے وجود کو نسل انسانی کے لئے ایک لعنت تصور کیا جاتا تھا۔ بے کس اور بے بس معصوم بچیوں کے گلے دنیا میں آتے ہی گھونٹ دیئے جاتے تھے اور ماں اپنے بیٹے کی فرماں برداری پر مجبور تھی صرف اس لئے کہ وہ مرد تھا۔

ایسی حالت میں کہ جب قوموں کے اخلاق بگڑ چکے تھے اور مردوں کی ذہنیتیں خراب ہو چکی تھیں عرب جیسے ملک سے اسلام کی صدا بلند ہوئی اور مردوں کو انہی مردوں کو جو اب تک اپنی عورتوں کو اپنی ذلیل ترین ملکیت خیال کرنے کے عادی بنے ہوئے تھے۔ خدائے پاک کا یہ حکم سنایا گیا کہ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ یعنی عورتیں تمہارے لئے زینت ہیں اور تم اُن کے لئے زینت ہو۔ ارشاد باری تعالےٰ میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ عورتیں تو تمہارے لئے زینت ہیں جیسے جوتا کپڑا چھڑی اور انگوٹھی وغیرہ ہوتی ہیں اور تم ان کے مالک اور ان پر قابض و متصرف ہو۔ بلکہ یہ ارشاد ہوا ہے کہ تمہارے لئے جو حیثیت ان کی ہے بعینہٖ بلا کسی ذرا سے فرق کے ان کے لئے وہی حیثیت تمہاری ہے

گویا اگر مرد عورتوں کے آقا ہیں تو عورتیں مردوں کی مالکہ ہیں اور اگر عورتیں مردوں کی کنیزیں ہیں تو مرد عورتوں کے غلام ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں اس سچے تعلق کا اظہار کیا گیا ہے جو ایک مرد اور ایک عورت میں ہونا چاہئے اور وہ حالت بتادی گئی ہے جو سچی محبت اور الفت کی بدولت زن و شوہر میں پیدا ہو جاتی ہے اور ہو جانی چاہئے۔ ہماری اردو زبان میں ایک مثل ہے کہ "ہمارا اور ان کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے" اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمارا اور ان کا اتنا قریبی تعلق ہے جتنا چولی اور دامن کا اور ایک کا وجود دوسرے کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا چولی کا دامن کے لئے اور دامن کا چولی کے لئے۔ عربی میں بالکل اسی مفہوم کی کوئی ضرب المثل موجود نہ تھی لیکن "لِبَاسٌ لَّکُمْ" اور "لِبَاسٌ لَّهُنَّ" کا جو کچھ مفہوم ہے وہ قریب قریب بالکل وہی ہے جو ہماری اردو کی مثل کا ہے۔ اس آیت سے نہایت ہی صاف اور صریح الفاظ میں اس حیثیت کی تشریح ہو جاتی ہے جو دنیائے انسانی میں احکام اسلام کی رُو سے عورت کو حاصل ہے۔ اور دنیا کا کوئی مذہب عورت کے درجہ کو اس قدر بلند کرنے میں اسلام کے بالمقابل نہیں آسکتا۔ عقل، انصاف، اور اخلاق بھی اسی کے مقتضی ہیں کہ فطرت کی دو اولادوں میں سے ایک کو بلا کسی قصور اور خطا کے خواہ مخواہ مردود اور ملعون نہ بنایا جائے کیونکہ مادر فطرت کو اپنے بیٹے اور اپنی بیٹی سے یکساں محبت ہے، نیز تکمیل انسانیت کے لئے بھی یہ دونوں اجزاء مساوی طور پر ضروری اور اہم ہیں۔ اسلام نے اسے مردوں کے لئے زینت اور مردوں کو اس کے لئے زینت قرار دے کر حق یہ ہے کہ عورت کو وہ درجہ دے دیا ہے کہ جس سے بلند تر درجہ کی آرزو خود ایک عورت کے دل میں بھی پیدا نہیں ہو سکتی اور خود اس کی فطرت بھی اس سے زیادہ کی تمنا کی خواہش اس کے دل میں پیدا نہیں کر سکتی۔ اسلام کے ایسے ہی احکام ہیں جن کی وجہ سے اسے "مذہب فطرت" کہا جاتا ہے۔

سورۂ بقر میں ایک اور آیت ہے جس سے عورت کے درجہ اور حیثیت کی تعیین ہوتی

ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ حقوق کے لحاظ سے اس کا درجہ مرد کے مساوی ہے اور وہ یہ ہے کہ
وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۖ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ اس کا
مطلب یہ ہے کہ جیسے مردوں کا حق عورتوں پر ہے اسی طرح دستور کے مطابق عورتوں کا حق
مردوں پر ہے۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر فوقیت حاصل ہے۔ وہی عورت جسے دوسرے
مذہبوں نے شیطان کی بیٹی اور شیطان کا آلہ یا سانپ اور سانپ کے زہر سے بھی زیادہ
بری چیز بنایا ہے اسے اسلام مردوں کے لئے زینت بتاتا ہے اور حقوق کے لحاظ سے اسے
مردوں کے برابر خیال کرتا ہے۔ زور زبردستی سے اور رسم ورواج کی آڑ پکڑ کر لوگ خواہ کچھ بھی
کرلیں لیکن ایک عورت اور ایک مرد کا معاملہ جب اسلامی قانون کے سامنے آئے گا تو وہ
یہی فیصلہ کرے گا کہ بنی نوع انسان کی یہ دونوں صنفیں حقوق اور حیثیت کے لحاظ سے
برابر ہیں اور ان میں باہم جو کچھ فرق ہے وہ یہ ہے کہ ایک کو دوسرے پر قوائے جسمانی کے
لحاظ سے فوقیت حاصل ہے۔ اسلام نے اپنے احکام میں کسی جگہ بھی ایسا نہیں کیا ہے کہ
کسی معاملہ میں صرف عورتوں کو دبایا ہو اور مردوں کو آزاد چھوڑ دیا ہو یا یہ کہ کوئی خاص اچھائی
یا نعمت صرف مردوں کے لئے مخصوص کر دی ہو اور عورتوں کو اس سے محروم رکھا ہو عصمت
کے تحفظ کے متعلق اسلام نے اپنے پیروؤں پر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں اور حکم دیا
ہے کہ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۗ
ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ
يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ اس کا مطلب یہ ہے
کہ اے پیغمبر! مسلمانوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت
کیا کریں، اس میں ان کی زیادہ صفائی ہے، لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ کو سب خبر ہے
اور اے پیغمبر! مسلمان عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم
گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ اس آیت میں عصمت کی حفاظت کا مکلف صرف عورت

کو نہیں بنایا گیا ہے بلکہ پہلے مردوں کو بالکل وہی اور انہیں لفظوں میں حکم ملا ہے اور پھر عورتوں کو اور اس طرزِ خطاب سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام نے عورت کو شیطان کی بیٹی یا کوئی اور ذلیل مخلوق تصور کر کے صرف اسی کو مختلف قسم کی قیود میں جکڑنا نہیں چاہا ہے، بلکہ مردوں کو بھی اسی قید کا قیدی بنا کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ عورت کا درجہ اس کی نگاہ میں کسی طرح بھی مرد سے کم نہیں ہے۔

دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں کا علم خدائے پاک کی بہترین نعمت ہے اور تمام دنیا اس پر متفق ہے کہ علم کے بغیر کوئی انسان انسان کہلائے جانے کا مستحق ہی نہیں ہو سکتا۔ خدا کی اس نعمت کو اسلام نے صرف مردوں کے لئے مخصوص نہیں کیا ہے بلکہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض کیا گیا ہے، اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام کی نظر میں عورت کوئی ایسی ذلیل مخلوق نہیں ہے جسے علم سے محروم رکھا جائے جیسا کہ بعض مذہبوں نے یا ان کے خود غرض پیرووں نے کیا ہے۔

بچوں کی پرورش اور نگہداشت میں ماں اور باپ دونوں ہی حصہ لیتے ہیں لیکن اس کام میں جس قدر دکھ ماں کو سہنے پڑتے ہیں اتنے باپ کو نہیں اٹھانے پڑتے۔ ایسی صورت میں اگر اسلام کے نزدیک عورت کا درجہ مرد کے مساوی نہ ہوتا تو اس کی تمام تکلیفوں اور مصیبتوں کے باوجود عورت کو اولاد پر مرد سے زیادہ حقوق ہرگز نہ دیئے جاتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے ایسا نہیں کیا ہے بلکہ یہ فرض کر کے کہ مرد اور عورت دونوں کا درجہ مساوی ہے اس نے ماں کو اولاد پر باپ سے زیادہ حقوق دیئے ہیں کیونکہ وہ تکلیفیں زیادہ اُٹھاتی ہے۔ کلام پاک میں ارشاد باری ہے کہ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ط یعنی ہم نے انسان کو اُس کے ماں باپ کے حق میں تاکید کی (کہ ان کے حقوق کا ہمیشہ لحاظ رکھے) کیونکہ اس کی

ماں نے اسے جھٹکے پر جھٹکے اٹھا کر پیٹ میں رکھا اور (کہیں) دو برس میں (جا کر) اس کا دودھ چھٹتا ہے (اسی لئے ہم نے انسان کو حکم دیا) کہ ہمارا بھی شکر گزار رہے اور اپنے ماں باپ کا بھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ قال رجل یا رسول اللہ من احق بحسن صحابتی قال امک قال ثم من قال امک قال ثم من قال امک قال ثم من قال ابوک وفی روایۃ قال امک ثم امک ثم امک ثم اباک ثم ادناک ۔ یعنی ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! اس بات کا زیادہ حقدار کون ہے کہ میں اس کے ساتھ سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا تیری ماں ۔ اس نے عرض کیا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تیری ماں ۔ عرض کیا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں ۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ نے فرمایا کہ تیرا باپ ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضور انورؐ نے فرمایا تیری ماں پھر تیری ماں پھر تیری ماں پھر تیرا باپ پھر جو تیرا زیادہ قریبی رشتہ دار ہو۔ ایک اور حدیث ہے کہ ارادت ان اغزو وقد جئت استشیرک فقال ھل لک من ام قال نعم قال فالزمھا فان الجنۃ عند رجلھا ۔ یعنی ایک شخص نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا ارادہ ہے کہ جہاد کروں حضورؐ کا مشورہ چاہتا ہوں ۔ آپ نے پوچھا کیا تیری ماں ہے ۔ عرض کیا جی ہاں ۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی خدمت میں رہ کہ جنت اسی کے قدموں کے پاس ہے ۔

ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ فرما کر خدائے پاک نے مردوں کو تو یہ بتا دیا کہ عورتیں کوئی ذلیل مخلوق نہیں ہیں اور جہاں تک انسانی جماعت میں اُن کے درجہ کا تعلق ہے وہ بالکل وہی حیثیت رکھتی ہے جو ایک مرد کی ہے لیکن چونکہ اس فرمان الٰہی کے بعد اندیشہ تھا کہ عورتیں کہیں سرکشی اختیار نہ کر لیں اور یہ نہ سمجھنے لگیں کہ ہم میں اور مردوں میں کوئی فرق کسی قسم کا ہے ہی نہیں اس لئے

انہیں یہ بتا دیا گیا کہ اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ یعنی مرد عورتوں کے سربراہ ہیں اور ظاہر ہے کہ مرد کی یہ حیثیت اور اس کی یہ فوقیت فطرت کے بالکل مطابق بھی ہے اور ہر مسلم و غیر مسلم قوم میں مرد کو یہ مرتبہ حاصل ہے ۔ اسلام نے ایک مرد کی حیثیت اپنے خاندان میں بالکل وہی مقرر کی ہے جو کسی جمہوری سلطنت میں صدر جمہوریہ کی ہوتی ہے ۔ جہاں تک ایک انسان ہونے کا یا ایک شہری ہونے کا تعلق ہے ایک صدر میں اور ایک معمولی باشندہ میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں ہوتا اور وہ انہی عام باشندگان ملک میں سے کوئی ایک شخص ہوتا ہے جسے اس کی قابلیتوں کی بناء پر منتخب کر لیا گیا ہو ۔ اپنی خاندانی جمہوریت میں مرد بھی خاندان کی پرورش اور حفاظت کی قابلیت کی وجہ سے صدر منتخب کر لیا گیا ہے اور اس منصب صدارت کے علاوہ اسے اور کوئی فوقیت اپنے اہل خاندان پر حاصل نہیں ہے ۔

اسلام ایک مرد اور ایک عورت کے تعلق کو ایک عارضی اور ایک ہنگامی چیز نہیں خیال کرتا اور وہ کسی طرح عورت کی اس تذلیل کو گوارا نہیں کرتا کہ دس پندرہ یا بیس برس تک خاوند کی کمائی میں حصہ لگانے والی اور خاوند کے روپے سے عیش اُڑانے والی بیوی خاوند کے مرتے ہی اس کی جائداد اور میراث سے بالکل بے تعلق ہو جائے اور کہیں اس کی دو روٹیوں کا بھی سہارا نہ رہے یا یہ کہ اگر وہ جوانی ہی میں بیوہ ہو گئی ہے تو خاوند کے جنازے کے ساتھ خوب بناؤ سنگار کر کے جائے کہ شاید محفل ماتم میں اس کا حسن کسی کی نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکے ۔ اسلام اس حق کا پورے طور پر احترام کرتا ہے جو کسی مرد کی شریک زندگی بن کر ایک عورت نے حاصل کیا تھا اور خاوند کے طبعی یا ناگہانی انتقال پر اسے بالکل بے کس اور بے بس نہیں چھوڑنا چاہتا ۔ وہ متوفی خاوند کی جائداد میں اس کی بیوہ کا بھی اسی طرح ایک حصہ مقرر کرتا ہے کہ جس طرح اسکی اولاد کا

چنانچہ باری تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ وَلَکُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ط وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ط یعنی تمہاری بیویاں ترکہ میں جو کچھ چھوڑ مریں اس میں سے آدھا تمہارا ہے اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو، لیکن اگر انکے اولاد ہو تو چوتھائی تمہارا ہے مگر وصیت پوری کر دینے اور قرض ادا کرنے کے بعد۔ اور تم جو کچھ ترکہ میں چھوڑو اس میں سے چوتھائی ان کا ہے اگر تمہارے کوئی اولاد نہ ہو لیکن اگر ..... اولاد ہو تو وصیت پوری اور قرض ادا کرنے کے بعد آٹھواں حصہ اُن کا ہے۔

اسی طرح جن عورتوں کو کسی مجبوری کی وجہ سے طلاق دینی پڑے انہیں بھی اسلام بے کسی اور بے بسی کی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتا اور ان کے متعلق بھی خاوندوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ یعنی جن عورتوں کو طلاق دی جائے ان کے ساتھ (مہر کی رقم کے علاوہ) دستور کے مطابق کچھ سلوک کرنا مناسب ہے کیونکہ پرہیز گاروں پر ان کا یہ بھی ایک حق ہے۔

ارشاداتِ الٰہی کے بعد احکام رسالت پناہی پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے کہ آپکی نگاہ میں عورت کی حیثیت کیا تھی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ حبب الی الطیب والنساء و جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔ یعنی خوشبو اور عورت کے واسطے میرے دل میں محبت پیدا کی گئی اور نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھی گئی ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے کہ اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّخَيْرُ مَتَاعِ

الدُّنیا المرأۃُ الصّالحۃ۔ یعنی دنیا فائدے حاصل کرنے کی چیز ہے اور دنیا کا بہترین فائدہ نیک عورت ہے۔ ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا ہے کہ الا اُخبرُکَ بخیر ما یکنز المرأۃ الصالحۃ اذا نظر الیھا سرتہ اذا امرھا اطاعتہ و اذا غاب عنھا حفظتہ۔ یعنی کیا میں تمہیں ایسے خزانہ سے مطلع نہ کروں جو سب سے اچھا ہے اور وہ نیک عورت ہے کہ جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھتا ہے تو وہ اُسے خوش کر دیتی ہے اور جب وہ کسی کام کا حکم دیتا ہے تو اطاعت کرتی ہے اور جب وہ باہر جاتا ہے تو اس کے گھر کی حفاظت کرتی ہے۔

مندرجۂ بالا آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے تقریباً ہر لحاظ سے عورت کی وہی حیثیت تسلیم کی ہے جو ایک مرد کی ہے اور اسے پستی اور ذلت کے اس غار سے نکال کر جہاں وہ شیطان کی بیٹی اور سانپ اور جہنم سے بھی بدتر چیز خیال کی جاتی تھی اس اوج پر پہنچا دیا جہاں وہ "مردوں کے لئے زینت" "دنیا کا سب سے بڑا فائدہ" اور "سب سے اچھا خزانہ" بن گئی۔ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے لونڈی غلام رکھنے سے منع نہیں کیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں بالخصوص عورتوں کے اس طرح بیچے اور خریدے جانے کا وہ حامی ہے لیکن یہ صرف ایک دھوکا ہے جو انہی لوگوں کو ہوتا ہے جو اسلام کی تعلیمات سے پورے طور پر واقف نہیں ہیں۔ اسلام نے یقیناً ایسا کوئی حکم نہیں دیا کہ غلاموں اور لونڈیوں کا رکھنا حرام ہے اور اگر اسلام اس قسم کا کوئی حکم دیتا تو عرب جیسے ملک میں جہاں لونڈی اور غلام ہی لوگوں کی جائدادیں تھیں کوئی بھی مسلمان بنکر اپنی جائداد سے محروم ہونا پسند نہ کرتا۔ اسلام نے اس کے لئے ایسی تدابیر اختیار کیں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ اور وہ اس طرح کہ جتنے لونڈی اور غلام موجود تھے ان کے اس طرح رکھے جانے پر تو اعتراض نہ کیا لیکن اُن کے حقوق مقرر کر دیئے

تاکہ ان پر ظلم نہ کیا جائے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک ہو اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اُن کی خلاصی اور آزادی کی یہ راہ نکالی کہ بہت سے گناہوں کا کفارہ یہ مقرر کر دیا گیا کہ غلام آزاد کر دیا جائے نیز ایک غلام کو آزاد کرانا یعنی اس کے مالک کو اس کی قیمت دیکر آزاد کرا دینا ایک بہت ہی بڑا کار ثواب بتایا گیا اور پھر یہ حکم بھی دے دیا گیا کہ کوئی شخص کسی آزاد انسان کو فروخت کر کے غلام نہ بنائے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام تدابیر کا یہی نتیجہ نکلنا چاہیے تھا کہ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں موجودہ لونڈی غلام آزاد ہو جائیں اور آیندہ کے لئے بردہ فروشی کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔ کلام مجید کی آیت ہے کہ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ج فَکَفَّارَتُہٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَۃِ مَسٰکِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَھْلِیْکُمْ اَوْ کِسْوَتُھُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ یعنی (مسلمانو!) تمہاری قسموں میں سے جو بے معنی اور لغو ہیں اُن پر تو خدا تم سے کچھ مواخذہ نہیں کرتا ہاں اگر پکّی قسم کھاؤ اور پھر اس کے خلاف کرو تو خدا تم سے اسکا مواخذہ کرے گا۔ اس پکّی قسم کے توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا کھلا دینا ہے جیسا تم اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہو یا انہی دس مسکینوں کو کپڑے بنا دینا یا ایک بردہ آزاد کرنا۔

اسی طرح کی ایک اور آیت ہے کہ وَالَّذِیْنَ یُظٰھِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِھِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ط یعنی جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یعنی اُن سے کہہ دیتے ہیں کہ تم ہماری ماں کی برابر ہو اور یہ کہہ کر انہیں چھوڑ بیٹھتے ہیں جیسا کہ عام طور پر عرب میں دستور تھا اور جس دستور کو اسلام مٹانا چاہتا تھا) اور پھر لوٹ کر وہی کام کرنا چاہتے ہیں جس کو کہہ چکے تھے (کہ نہ کریں گے) تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگنے سے پہلے (مرد کو ایک

بردہ آزاد کرنا چاہئے۔

مسلمانوں کو جہاں بیوہ عورتوں کی شادی کر دینے کا حکم دیا گیا ہے وہاں یہ ارشاد باری ہے کہ وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۔ یعنی اپنی بیوہ عورتوں کے نکاح کرواؤ اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے ان کے جو نیکبخت ہوں اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو لونڈی غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کئے جانے کا سب سے زیادہ خیال رہتا تھا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں بھی مسلمانوں کو جن کاموں کی تاکید فرمائی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ لونڈی غلاموں کے حقوق کی رعایت کی جائے اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آیا جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صنع لاحد کم خادمہ طعامہ ثم جاءبہ و قد ولی حرہ و دخانہ فلیقعدہ معہ فلیأکل فان الطعام مشفوھا قلیلا فلیضع فی یدہ منہ اکلۃ او اکلتین ۔ یعنی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کر کے لائے حالانکہ اس نے آگ کے سامنے بیٹھ کر آگ کی گرمی اور دھوئیں کی تکلیف اٹھائی ہے تو اسے اپنے ساتھ بٹھا کر اس کے ساتھ کھانا کھائے اگر کھانا بہت ہی کم ہو تو اس میں سے خدمت گار کے ہاتھ پر ایک یا دو لقمے رکھدے۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ ہی سے ایک اور حدیث بھی روایت کی گئی ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا انبئکم بشرارکم الذی یاکل وحدہ و یجلد عبدہ و یمنع رفدہ ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں بتا دوں کہ تم میں بدترین لوگ کون ہیں وہ جو تنہا کھاتا ہے اور اپنے غلام کے کوڑے

مارتا ہے اور اپنی بخشش اس سے روک لیتا ہے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ قال اللہ تعالیٰ ثلثۃ انا خصمہم یوم القیمۃ ورجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حرًّا ثم اکل ثمنہ ورجل استأجر اجیرا فاستوفی منہ العمل ولم یوفہ اجرہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تین شخص ہیں کہ قیامت کے دن میں ان کا دشمن ہوں گا ایک وہ جس نے مجھے ضامن دیا اور پھر دغا کی دوسرا وہ جس نے آزاد شخص کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی اور تیسرا وہ جس نے کسی مزدور سے مزدوری مقرّر کی اور اس سے تو پورا کام لے لیا مگر مزدوری پوری نہ دی۔

لونڈی غلاموں کے حقوق کی حفاظت اور اُنہیں آزاد کرنے کی فضیلت کے متعلق بکثرت آیات و احادیث موجود ہیں اور انہیں دیکھ کر صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام غلامی کی رسم کا سب سے بڑا دشمن ہے اور کسی صورت میں بھی اسے گوارا نہیں کرتا کہ ایک شخص محض اپنی دولت یا طاقت کی وجہ سے دوسرے کی جان و مال کا مالک بن جائے۔

اسلام نے اگر غلامی کے انسداد کے متعلق یہ احکام نہ بھی دیئے ہوتے تب بھی اس سے عورت کی حیثیت پر کوئی اثر نہ پڑ سکتا تھا کیونکہ بہر حال غلامی صرف عورت کے لئے مخصوص نہ تھی اور جس طرح ایک عورت لونڈی بنائی جاتی تھی اسی طرح ایک مرد کو بھی غلام بنایا جاتا تھا۔ جو کچھ اب تک بیان کیا گیا ہے اس میں صرف یہ دکھایا گیا ہے کہ اسلام کا طرز عمل عورت کے ساتھ کیا ہے اور اس کی نگاہ میں اس کی حیثیت کتنی ہے۔ آیندہ بابوں میں ان حقوق کی تفصیل ہوگی جو اسلام نے عورت کو دیئے ہیں اور ان اصلاحات کا ذکر ہوگا جو عورت کی حالت میں کی گئی ہیں۔

دختر کُشی کی مُمانعت

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے اسلام سے پہلے اکثر قوموں میں پیدا ہوتے ہی بیٹیوں کو مار ڈالنے کا رواج بہت عام ہو گیا تھا اور عرب میں تو بعض اوقات شادی کرتے وقت مرد کی طرف سے یہ شرط مقرر کر لیجاتی تھی کہ اگر لڑکی پیدا ہوئی تو اسے ہلاک کر دیا جائیگا - اور ماں کو چون و چرا کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ لڑکی کا جوان ہونا اور پھر کسی اور مرد کے ساتھ اس کا بیاہا جانا شریف قوموں کے لئے باعث ننگ و عار خیال کیا جاتا تھا اور ہندوستان میں بھی راجپوت اکثر اسی شرم کی وجہ سے اپنی لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار دیتے تھے - غریب ماما کی ماری ماں جس کی نگاہ میں بیٹا اور بیٹی میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا اور جو اس جھوٹی اور فرضی شرم سے بالکل نا آشنا ہوتی تھی، روتی چیختی رہ جاتی تھی لیکن جلاد صفت باپ جس کے سر پر "عزت اور آبرو" کا بھوت سوار ہوتا تھا اس معاملہ میں اپنی عزیز بیوی کی خواہشات اور اس کے جذبات کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کرتا تھا اور اس کی گود سے اُسکی لخت جگر کو چھین کر مختلف طریقوں سے ٹھکانے لگا دیتا تھا۔

لڑکیوں کو اس طرح قتل کر دینے کا باعث صرف یہی ایک جھوٹی شرم نہ تھی بلکہ ایک اور سبب بھی تھا اور وہ یہ کہ جس طرح لڑکوں سے یہ توقعات ہوتی تھیں کہ وہ بڑے ہو کر کمانے کے قابل ہو جائیں گے اور خاندان کی آمدنی میں ایک معقول اضافہ کا سبب بنیں گے - اسی طرح لڑکی کے متعلق یہ یقین ہوتا تھا کہ وہ بجائے کچھ کما کر لانے کے گھر سے جہیز کی صورت میں بہت کچھ لیجائے گی اور اس طرح خاندان کی فلاح کا ذریعہ بننے کے بجائے افلاس کا باعث ہوگی زر پرست اور مفلس باپ شاید اس "شرم" کو تو برداشت بھی کر لیتے لیکن

یہ "مصیبت" کسی طرح بھی قابل برداشت نہ تھی اس لئے اسی کو مناسب خیال کیا جاتا تھا کہ ایسے فتنہ کو جاگتے ہی ہمیشہ کے لئے سلادینا چاہئیے۔ اسلام سے پہلے کسی مذہبی یا ملکی قانون نے اس طرف توجہ نہ کی اور غریب عورت کی اس سب سے بڑی مصیبت کو اس کے سر سے ٹالنے کا فخر اسلام ہی کو حاصل ہے۔

خدائے پاک کا ارشاد ہے کہ وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهٗ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ یعنی اور یہ منکر خدا کی بیٹیاں ٹھہراتے ہیں سبحان اللہ! خدا کے لئے تو بیٹیاں اور ان کے لئے من مانے بیٹے۔ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جائے تو رنج کے مارے اس کا منہ کالا پڑ جائے اور وہ زہر کے سے گھونٹ پی کر رہ جائے۔ لوگوں سے بیٹی کی شرم کے مارے جس کے پیدا ہونے کی اسے خوشخبری دی گئی ہے چھپا چھپا پھرے اور دل میں منصوبے سوچے کہ آیا اس ذلت پر بیٹی کو لئے رہے یا اسے مٹی میں گاڑ دے۔ دیکھو تو خدا کے بارے میں ان لوگوں کی کیا بری رائے ہے۔

ایک دوسرے مقام پر نہایت صاف اور صریح الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ یعنی اے لوگو! تم افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو ان کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔ اولاد کو جان سے مارنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

خدائے تعالےٰ نے جہاں قیامت برپا ہونے کا ذکر کلام مجید میں فرمایا ہے

وہاں اس دن کے اور چند کاموں کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ اس روز اُن لڑکیوں کے مقدمے پیش ہوں گے جو زندہ گاڑی گئی تھیں۔ اور آثار قیامت کے ضمن میں ان لڑکیوں کے مقدمہ کا ذکر کیا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ بارگاہِ الٰہی کی نگاہ میں ان مقدموں کی اہمیت کس قدر زیادہ ہے۔ سورۂ تکویر میں ارشاد ہوا ہے کہ وَ اِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ یعنی جس وقت لڑکی سے جو زندہ گاڑ دی گئی تھی پوچھا جائے کہ کس قصور میں ماری گئی تھی۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ من عال جاریتین حتی تبلغا دخلت انا وھو الجنۃ کھاتین واشار باصبعیہ یعنی جو شخص لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں (ہاتھ کی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) تو میں اور وہ اس طرح ساتھ ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ من عال ثلث بنات او ثلاث اخوات او اختین او ابنتین فادبھن و احسن الیھن و زوجھن فلہ الجنۃ۔ یعنی جس کسی نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو بہنوں اور دو بیٹیوں کی پرورش کی انہیں پڑھایا، سلیقہ سکھایا، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا اور ان کی شادی کر دی تو وہ جنتی ہو گیا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ من کانت لہ انثی فلم یئدھا و لم یھنھا و لم یوثر ولدہ یعنی الذکور علیھا ادخلہ اللہ تعالی الجنۃ۔ یعنی اگر کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے نہ اسے ذلیل خیال کرے اور نہ بیٹے سے حقیر جانے تو خدا اُسے جنت میں داخل کرے گا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ سے روایت ہے کہ قال رجل یا رسول اللہ

ای الذنب اکبر عند اللہ قال ان تدعو للہ ندا و ھو خلقک قال ثم ای قال ان تقتل ولدک خشیۃ ان یطعم معک یعنی ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ خدا کے نزدیک کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا کہ تیرا خدا کے لئے کسی کو شریک ٹھہرانا حالانکہ اُسی نے تجھے پیدا کیا ہے۔ اس شخص نے پوچھا کہ اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟ فرمایا کہ تیرا اس خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر ڈالنا کہ بڑی ہو کر وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔

اسی قسم کی اور اسی مضمون کی اور بہت سی حدیثیں موجود ہیں لیکن چونکہ یہاں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ اسلام کا برتاؤ عورت کے ساتھ کیسا تھا اس لئے بالتفصیل تمام حدیثوں کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ مندرجہ بالا آیات اور احادیث یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ اسلام نے دخترکُشی کی رسم کا سختی کے ساتھ انسداد کر دیا اور لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ بیٹیوں کو شوق اور خوشی کے ساتھ پالیں اور ان سے محبت کریں۔ والدین پر اولاد کے جو حقوق اسلام نے قائم کئے ہیں ان میں سے ایک لڑکے اور لڑکی کے حقوق میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں رکھا ہے بجز میراث کے کہ اس میں لڑکی کا حصہ لڑکے سے آدھا ہے اور یہ تفریق عین مطابق فطرت ہے کیونکہ اول تو لڑکا اگر جوان ہے تو اس کے سر صرف اس کا اپنا خرچ نہیں ہوتا بلکہ اس کی بیوی اور بچوں کا خرچ بھی اُسی کے سر ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ لڑکا اس روپیہ کو جو ورثہ میں اُسے ملے بہت آسانی سے تجارت وغیرہ میں لگا کر اس سے بہت کچھ کما سکتا ہے درحالیکہ لڑکی اس سے اتنا فائدہ ایسی آسانی کے ساتھ نہیں اُٹھا سکتی۔ تیسرے یہ کہ لڑکی کے نان و نفقہ کا بوجھ شادی کے بعد اس کے خاوند کے ذمہ ہو جاتا ہے اور اسے مہر کی صورت میں یا اگر خاوند مر جائے تو اس کے ترکہ میں سے اور بھی بہت کچھ ملنے کی امیدیں ہیں جو ایک لڑکے کو

نہیں ہیں - اس لئے لڑکی کا حصہ لڑکے سے کم مقرر کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام کے نزدیک لڑکا لڑکی سے زیادہ اچھی چیز ہے بلکہ صرف یہ کہ لڑکی کو حصول زر کے اور بھی ذرائع حاصل ہیں اور دونوں کو صرف اسی طرح برابر کیا جا سکتا ہے کہ لڑکے کو باپ کی میراث میں سے زیادہ دلا دیا جائے - باپ کے ترکہ میں لڑکیوں کے اس حصہ کی خوبی اس وقت پورے طور پر ظاہر ہوتی ہے جب اسکا مقابلہ ان مذاہب سے کیا جائے جن میں لڑکی کا کوئی حق ہی نہیں رکھا گیا ہے' اور اسوقت معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا قانون کس قدر منصفانہ اور مطابق فطرت ہے -

عورتوں کا نکاح

ہندوستان کے مسلمانوں میں بدقسمتی سے یہ رواج بہت عام ہو گیا ہے کہ شادی کے معاملے میں لڑکی سے اسکی مرضی دریافت کرنےکی کوئی کوشش نہیں کیجاتی اور اکثر حالات میں تو لڑکی کو نکاح کے وقت تک بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ اسکی شادی کس کے ساتھ ہو رہی ہے - یہ رواج تعلیم اسلام کے مطابق نہیں ہے - اسلام نے شادی کے معاملہ میں مرد اور عورت دونوں کو پوری پوری آزادی دی ہے - اسلام نے ایک لڑکی کو اس بات کا اختیار دیا ہے کہ اگر اس کا سرپرست چھوٹی سی عمر میں اس کی شادی کردے تو جوان ہونے پر اگر وہ اس رشتہ سے خوش نہ ہو تو اسے فسخ کرا سکتی ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ شادی کے معاملے میں عورت پر کسی قسم کا جبر و تشدد اسلام میں جائز نہیں ہے -

بعض دوسرے مذہبوں کی طرح اسلام اس کو بھی روا نہیں رکھتا کہ عورتیں شادی نہ کریں اور کنواری رہیں - گرجاؤں اور مندروں کی خدمت کے لئے لڑکیوں کا نذر کر دیا جانا گو بظاہر اپنے اندر ایک شان تقدس رکھتا ہو لیکن اگر ذرا

دقت نظر سے دیکھا جائے تو اس میں خرابیاں زیادہ معلوم ہوتی ہیں۔ یورپ کی تاریخ عیسائی کنواروں اور کنواریوں کی داستانوں سے بھری پڑی ہے اور گرجاؤں کے صحن میں گڑی ہوئی لاکھوں معصوم ہڈیاں زبان حال سے اس مذموم رسم کے خلاف فریادی ہیں۔ کنوارا رہنا انسانی فطرت کے خلاف ہے اور کوئی زندگی جو...... فطرت کے خلاف بسر کیجائے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر کنوارا رہنا درحقیقت کوئی اچھی بات ہے اور اس طرح ہم خدا سے قریب ہو سکتے ہیں تو اس حالت کا اندازہ کیجئے کہ جب تمام انسانی دنیا اس اصول کو قبول کر لے اور ہر مرد اور عورت تجرد کی زندگی بسر کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ اگر خدانخواستہ کبھی ایسا ہو سکے تو ظاہر ہے کہ اسی نسل پر انسانی آبادی کا خاتمہ ہے۔ کوئی ایسا اصول خواہ اس میں بظاہر کتنا ہی تقدس کیوں نہ نمایاں ہو قابل تعریف اور قابل قبول نہیں ہو سکتا جس کا نتیجہ یہ نکلے کہ دنیا سے انسانی نسل ہی مٹ جائے۔ اسلام مذہب فطرت ہے وہ ایسی غیر فطری چیز کو کیسے جائز رکھ سکتا تھا اس نے ببانگ دہل اعلان کر دیا کہ لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ اور اسلام ترک دنیا کا سبق دینے نہیں آیا ہے۔ اسلام کا خدا کھلے ہوئے اور صاف لفظوں میں اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً یعنی تم اپنی مرضی سے دو دو اور تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کر لو لیکن اگر تم کو اس بات کا ڈر ہو کہ کئی بیویوں میں برابری کا برتاؤ نہ کر سکو گے تو صرف ایک ہی شادی کرو۔

اس آیت میں چونکہ ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی گئی ہے اس لئے اکثر غیر مسلم قومیں اس پر اعتراض کرتی ہیں اور اس کا یہ مطلب لیتی ہیں

یہ ہوسناکی اور ہوس کاری کی تعلیم ہے۔ چونکہ تعدد ازدواج کے مسئلہ پر آیندہ ایک پوری فصل لکھنی ہے اس لئے اس جگہ اس اعتراض کا جواب دینے سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ نکاح کو اسلام نے اس قدر اہمیت دی ہے کہ ایک جگہ ایک عام حکم دے دینے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ بیوہ عورتوں کے متعلق اور لونڈیوں اور غلاموں کے متعلق پھر اس حکم کو دہرایا گیا ہے۔ مسلمانوں کو حکم ملا ہے کہ وَ اَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَ اِمَآئِکُمْ۔ یعنی اپنی بیوہ عورتوں کے نکاح کردو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے ان کے جو نیک ہیں۔ یہ نکاح کر دینے کی صرف اجازت نہیں ہے کہ اگر مسلمان چاہیں تو بیواؤں کا اور لونڈیوں کا نکاح کردیں، بلکہ حکم ہے کہ ایسا ضرور کریں اور انہیں گھروں میں بٹھائے نہ رکھیں جیسا کہ بعض اور قوموں میں دستور ہے اور جیسا کہ بدقسمتی سے آج کل مسلمانوں میں بھی ایک حد تک رواج ہوتا جارہا ہے۔ بیوہ عورتوں کی شادی کا مسئلہ اسقدر کثرت سے زیر بحث آچکا ہے کہ اب اس کی خوبیوں کا ذکر غیر ضروری معلوم ہوتا ہے اور اس کی معقولیت کے لئے یہی ایک سند کافی ہے کہ اب وہ قومیں بھی جو بیواؤں کی شادی کو مذہباً گناہ خیال کرتی تھیں اسے اپنے یہاں رواج دینے پر مجبور ہوئی ہیں۔ اسلام نے تو چونکہ بیوہ عورت کو خاوند کے ترکہ میں سے ایک معقول حصہ دلایا ہے اس لئے مسلمان بیوائیں تو پھر بھی بالکل بے کس اور بے بس نہیں ہوتیں اور بغیر دوسری شادی کئے ہوئے بھی انہیں ناداری اور محتاجی کی زندگی گزارنے پر ... مجبور نہیں ہونا پڑتا لیکن دوسری قوموں میں ایک بیوہ عورت کی زندگی اس قدر پست اور ذلیل ہوتی ہے کہ کوئی بھیک مانگنے والی عورت بھی اس پر رشک کی نگاہ نہیں ڈال سکتی۔ بعض قوموں میں صرف یہی نہیں ہے کہ بیوہ ہر قسم کی دنیاوی آسائشوں سے محروم ہو جائے بلکہ وہ منحوس بھی خیال کی جاتی ہے اور شوہر والی عورتیں

اس کے سایہ تک سے پرہیز کرتی ہیں حالانکہ ظاہر ہے کہ اس اتفاق میں کہ اس کا خاوند اس سے پہلے مر گیا اس غریب کا کوئی ذرا سا بھی قصور نہیں ہوتا۔ اسلام اس حالت کو گوارا نہیں کرتا کہ خدا کی مخلوق پر بے وجہ و سبب یہ ظلم ہوں، اور وہ نہیں چاہتا کہ نسل انسانی کے ان افراد کی زندگی خوامخواہ تباہ و برباد ہو جائے اس لئے وہ اپنے پیروؤں کو سختی کے ساتھ حکم دیتا ہے کہ بیوہ عورتوں کی شادی کر دیا کریں۔ جو مذہب بیوہ عورتوں کی شادی کی ...... اجازت نہیں دیتے وہ بیوی کے مر جانے پر مرد کو دوسرا نکاح کرنے سے نہیں روکتے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی نگاہ میں ایک عورت کی زندگی کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

تعددِ ازدواج

جھوٹ بولنا اور کسی دوسرے کو دھوکا دینا ایک بدترین گناہ اور ذلیل ترین اخلاقی جرم ہے لیکن کیا دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی مہذب قوم بھی ایمانداری کیساتھ اس بات کا دعویٰ کر سکتی ہے کہ دوسری سلطنتوں کے ساتھ سیاسی گفت و شنید کے وقت یا غیر قوموں سے جنگ پیش آجانے پر بھی اس کے وزراء اور فوجی افسر جھوٹ اور فریب دہی سے باز رہتے ہیں اور اسے پست اخلاقی تصوّر کرتے ہیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ایسے موقعوں پر دوسروں کو بڑے سے بڑا دھوکا دینا اور بالکل سفید جھوٹ بولنا بڑے سے بڑے ایماندار وزیر اور اچھے سے اچھے فوجی جنرل کے لئے باعث فخر ہوتا ہے اور اگر اس طرح جھوٹ بول کر اور فریب دیکر اپنی قوم کے لئے کچھ رعایت یا اپنی دشمن پر کوئی بڑی فتح حاصل کی گئی ہے، تو اس دروغگو وزیر اور فریب کار جنرل کے ناموں کو فخر کے ساتھ تاریخ میں جگہ دیجاتی ہے اور ان کے کارناموں کو زریں حروف سے لکھا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ ہے، اور رات دن ہر قوم اور ہر سلطنت

میں اسی پر عملدرآمد ہے لیکن کسی قانون میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ سچائی اور ایمانداری کیساتھ اس بات کا اعتراف کرے اور صاف لفظوں میں کہہ دے کہ ایسی حالتوں میں اور ایسی ضرورتوں کے موقعوں پر جھوٹ بولنا اور فریب دینا جائز ہے۔ لیکن اگر قانون اس کی اجازت نہیں دیتا ہے اور صاف الفاظ میں اعتراف نہیں کرتا تو اسے سوائے اس کے کہ قانون کا نقص کہا جائے اور کیا کہا جائے گا۔ اور اگر کوئی قانون اتنی جرأت کرے اور صاف صاف کہہ دے کہ ایسی ضرورت کے وقت جھوٹ اور فریب جائز ہے تو کیا ہمارا یہی فرض ہونا چاہئے کہ اس کی اس راست گوئی کی تعریف کرنے کے بجائے اسے برا کہنا شروع کردیں کہ اس نے کیوں کسی حالت میں بھی ایک جرم کو جائز اور روا رکھا اور عملاً خواہ کچھ بھی ہوتا رہتا لیکن اس نے اس کمزوری کا اعتراف کیوں کرلیا؟

انگریزی زبان میں ایک مثل تو ضرور ہے کہ "عشق میں اور جنگ میں سب کچھ روا ہے" لیکن انگریزی قانون یا مذہب عیسوی میں اس کے اعتراف کی ہمت نہیں ہے، اور اس طرح وہ گویا اپنے پیرووں کو اس بات کی تعلیم دیتے ہیں کہ سیاسی اور جنگی ضرورتوں کے وقت کریں تو وہی جو انسانی فطرت ہے لیکن اپنے اس جھوٹ اور فریب کو بھی "عین صداقت" ہی کے نام سے پیش کریں۔ اسلام کمزور اور ناقص مذہب نہیں ہے اس لئے وہ جنگ کے موقع پر فریب کاری کی بھی اجازت دیتا ہے اور کھلے لفظوں میں اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ "جنگ مکر و فریب ہے" اور بالکل اسی طرح انسان کی دوسری ضرورتوں کے موقعوں پر بھی بعض ایسی باتوں کی اجازت دیتا ہے جو معمولی حالات میں ناجائز ہیں۔ اسلام انسانی فطرت سے اچھی طرح واقف ہے، اور اسے خوب معلوم ہے کہ کن موقعوں پر انسان قانون توڑنے پر مجبور

ہوتا ہے' اس لئے وہ بجائے اس کے کہ لوگوں کو بطورِ خود قانون کی نافرمانی کرنے کا موقعہ دے'
ایسی رعایتیں اور ایسی آسانیاں بہم پہنچا دیتا ہے کہ قانون شکنی کی نوبت نہ آئے'
اور جب کبھی فطری ضرورتیں انسان کو بالکل مجبور ہی کر دیں تو اسے چوری اور فریب کاری
سے کام نہ لینا پڑے بلکہ جو کچھ وہ کرے اس کے لئے سندِ جواز موجود ہو۔

اس تمہید کے بعد اب ہم مذہب اسلام کی اس اجازت پر نظر ڈالتے ہیں جو تعدد ازدواج سے متعلق ہے۔ خدائے پاک کا ارشاد ہے کہ فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ج فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔ یعنی تم اپنی مرضی سے دو دو اور تین تین اور چار چار نکاح کرو لیکن اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ ان میں برابری کا برتاؤ نہ کر سکو گے تو صرف ایک ہی نکاح کرو۔ سب سے پہلے تو اس کے متعلق یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ سب بیویوں سے برابری کا برتاؤ کیا جائے جو عام انسانوں کے لئے تقریباً ناممکن ہے۔ یہ خدائے پاک کا حکم نہیں ہے کہ دو یا چار نکاح ضرور کرو۔ اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کے پیشِ نگاہ وہ تمام دقتیں اور دشواریاں ہیں جو ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی صورت میں پیش آتی ہیں اور جن کی بناء پر ہر شخص اٹھتا ہے اور اسلام پر اعتراض کر بیٹھتا ہے۔ لیکن تنگ اور محدود نگاہیں صرف اتنا ہی دیکھ سکتی ہیں کہ ایک سے زیادہ نکاح کرنے میں بہت سی خرابیاں ہیں' اور وہ کسی طرح بھی ان حکمتوں تک نہیں پہنچ سکتیں جو اس اجازت میں پنہاں ہیں۔ کسی کو برا کہنا نہ اس کتاب کا مقصد ہے' اور نہ کسی دوسرے پر اعتراض کرنا اس کا موضوع' لیکن کیا ان شرمناک واقعات سے کسی طرح بھی چشم پوشی کی جا سکتی ہے جو ان ممالک میں رائج ہیں جہاں انسان از روئے قانون دوسری شادی نہیں کر سکتا؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ زبان سے "ایک مرد کے لئے ایک عورت" کا راگ

KAZIRIA COLLECTION

الانے والے علماء جس اصول کے قائل ہیں وہ یہ کہ "ہر مرد کے لئے ہر عورت اور ہر عورت کے لئے ہر مرد" کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ قانوناً صرف ایک شادی کرنے والوں میں ایسے مردوں اور ایسی عورتوں کا وجود عنقا ہے جو "غیر قانونی" طریقہ پر ایک سے بہت زائد شخصوں کے سیکڑوں تک شادیاں نہ کرتے ہوں؟ پھر اس طرح تقدس کا جامہ پہن کر دنیا کو دھوکہ میں ڈالنے سے کیا فائدہ؟ کیا کسی طرح انسان اپنی فطرت کو بھی دھوکا دے سکتا ہے؟ کیا اگر ملک میں یہ قانون بنا دیا جائے کہ کوئی شخص دونوں وقت میں آدھ سیر سے زیادہ کھانا نہ کھائے گا تو اس طرح لوگوں کی بھوک گھٹ جائیگی اور کھانا بہ افراط میسر آنے پر وہ اسے کھانے سے باز رہیں گے؟ اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو پھر نکاح کے متعلق بھی ایسے مضحکہ انگیز قانون بنانے سے کیا فائدہ ہے۔ اگر ممانعت کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے انتظامات بھی کر دیئے جاتے کہ ایک غیر مرد اور ایک غیر عورت کے باہم ملنے کا کوئی امکان ہی نہ رہتا تب تو کچھ کامیابی ہو سکتی تھی لیکن صرف ظاہرداری کے لئے ایک قانون بنا دینا اور غیر قانونی کارروائیوں کے انسداد کا کوئی بندوبست نہ کرنا ایک حماقت سے زیادہ اور کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ جو لوگ بالطبع اپنے جذبات پر غالب ہیں یا جنھیں اپنے جوڑے سے کافی محبت ہے انھیں تو خود ہی کبھی دوسری شادی کا خیال نہیں آتا لیکن اسی دنیا میں وہ لوگ بھی تو بستے ہیں جن کے جذبات کا ہیجان انہیں مغلوب کر لیتا ہے اور اسی دنیا میں قوموں کو ایسی ضرورتیں بھی تو پیش آتی رہتی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں نسل پیدا کریں۔ ایسی صورتوں میں ان قوموں کے پاس کیا چارہ کار ہے جو اپنے لئے یہ قانون بنا چکی ہیں کہ ایک سے زیادہ نکاح کوئی نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ ان کے بہت سے افراد چوری چھپے قانون شکنی پر مجبور ہوں گے اور قومی ضرورت کے وقت تمام قوم کو اپنا قانون بدلنا پڑے گا۔ جس قانون کی پابندی ناممکن ہو اور جسے کبھی کسی وقت میں توڑنے کی ضرورت خود قانون بنانے والوں کو محسوس ہو۔ اسے اچھا اور مکمل قانون نہیں کہا جا سکتا۔ اسلام کی یہ خامی ہوتی اگر وہ بھی ایسے ہی

ناکمل قوانین بناتا اور اگر اس میں ہر زمانہ، ہر ملک اور ہر قوم کی ضرورتوں کے لئے رعایت پائی جاتی ہے تو یہ ہرگز ہرگز عورتوں کی توہین نہیں ہے بلکہ اس کے کامل و اکمل ہونے کا ثبوت ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نے جب اس معاملہ میں انسانی کمزوریوں کو ملحوظ رکھ کر رعایت روا رکھی ہے تو اسی طرح کی رعایت چوری اور قتل وغیرہ کے متعلق کیوں نہ رکھی۔ یہ اعتراض حقیقتاً لوگوں کی کم فہمی پر مبنی ہے۔ نکاح اور شادی بھوک اور پیاس کی طرح کی خواہش ہے جو فطرت نے انسان کو دی ہے اور بھوک اور پیاس ہی کی طرح انسان اپنی اس خواہش کے پورا کرنے پر بھی مجبور ہے۔ اس کے برخلاف چوری اور قتل وغیرہ جرائم ہیں، جن کی کوئی خواہش انسانی فطرت میں نہیں رکھی گئی ہے اور کسی چھوٹی سے چھوٹی مقدار میں اور مختصر سے مختصر پیمانے پر بھی کوئی انسان ان کاموں پر قدرت کی طرف سے مجبور نہیں ہے۔ ایک سے زائد نکاح اگر کوئی شخص کرتا ہے تو ان مجبوریوں کے باعث سے کرتا ہے جو قدرت نے اس کے سر لگادی ہیں، لیکن چوری یا قتل جو کوئی کرتا ہے تو اپنی مرضی سے کرتا ہے اور قدرت کی طرف سے اُسے کوئی مجبوری نہیں ہے۔

یہ بھی ایک اعتراض ہوسکتا ہے کہ ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت صرف مرد کو کیوں دی گئی اور عورت کو بھی یہ اجازت کیوں نہ ملی کہ وہ بیک وقت چار تک مردوں سے نکاح کرے۔ جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں انھوں نے قوانین قدرت کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ انہیں ایک عورت اور ایک مرد کی زندگی کا فرق معلوم نہیں ہے، اول تو ظاہر ہے کہ عورت اگر ایک کی بجائے پچاس مردوں سے بھی بیک وقت نکاح کرے تب بھی وہ ایک معینہ مدت میں ایک سے زیادہ اولادیں نہیں پیدا کرسکتی۔ اسکے برخلاف اگر ایک مرد کئی عورتوں سے شادی کرتا ہے تو اسی معینہ مدت میں ہر عورت قوم میں ایک فرد کا اضافہ کرسکتی ہے۔ اسلئے اگر قوم کو افزائش نسل کی ضرورت ہے جیسی کہ ابھی گزشتہ

جنگ عظیم کے بعد جرمنی اور فرانس وغیرہ کو محسوس ہوئی تھی تو ایک عورت کا کئی مردوں سے شادی کرنا بالکل بے کار ہے۔ اور ایک مرد کا کئی عورتوں سے نکاح کرنا ذریعہ کامیابی۔ دوسری ضرورت ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی وہ خواہش ہے جو فطرت سے ہر انسان اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی اگر بیک وقت ایک سے زیادہ جوڑوں کی ضرورت ہو سکتی ہے تو مرد ہی کو ہو سکتی ہے عورت کو نہیں ہو سکتی کیونکہ ہر تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد عورت حمل اور وضع حمل وغیرہ کی فطری مجبوریوں میں گرفتار ہو جاتی ہے اور مرد کا کوئی لمحہ بھی ایسی مجبوریوں میں نہیں گزرتا۔

ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھ کر اگر ہم یہ سوچیں کہ آخر اس قسم کی اسفل خواہشیں ہماری جان کے ساتھ لگا دینے سے فطرت کا منشا کیا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ فطرت اس سے زیادہ ہم سے کچھ اور نہیں چاہتی کہ ہر جاندار اپنی نسل کو باقی رکھنے کی کوشش کیا کرے۔ یہ مقصد اس طرح بھی پورا ہو سکتا تھا کہ نکاح اور بیاہ کی مطلقاً کوئی تخصیص نہ ہوتی اور بعض جانوروں کی طرح ہر نر ہر مادہ کے لئے اور ہر مادہ ہر نر کے لئے ہوا کرتی۔ ہمارے پیدا کرنے والے نے جو ہمیں نکاح پر مجبور کیا' اور جانوروں کی فطرت میں بھی یہ بات ڈال دی کہ ایک نر ایک ہی مادہ کے ساتھ جوڑا لگا کر اپنی زندگی بسر کیا کرے یہ بے سبب نہیں ہے اور اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو اس کا سبب بہ آسانی سمجھ میں آسکتا ہے۔ دنیا میں فتنہ و فساد ہونا کسی حالت میں بھی خدا کو پسند نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ اگر ایک مادہ ایک نر کے لئے مخصوص نہ ہو جائے تو ہر وقت فتنہ و فساد کا امکان ہے لیکن جب اس طرح ایک مادہ ایک نر کے ساتھ مخصوص ہو جاتی ہے تو دوسرے نر اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ جانوروں کو یہ سبق کہ دوسرے کے جوڑے سے کوئی واسطہ نہ رکھیں فطرت نے اچھی طرح سکھا دیا ہے' اور انسانوں کو اس کی تعلیم مذہب کے ذریعہ سے کی گئی ہے۔ نکاح کی حقیقی ضرورت یہی ہے کہ اسی طرح ایک مادہ ایک نر کے لئے مخصوص ہو جاتی

ہے، اور اسی لئے مذہب نے اس بات کا بھی حکم دیا ہے کہ چھپ چھپاتے خاموشی سے نکاح نہ کیا جائے بلکہ اس کا اچھی طرح اعلان کر دیا جائے۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اعلنوا ھذا النکاح واجعلوہ فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف یعنی نکاح کو مشہور کرو اور اسے مسجد میں بیٹھ کر پڑھو، اور اس پر دفیں بجاؤ۔ اسی مضمون کی ایک اور حدیث ہے کہ فصل ما بین الحلال والحرام الدفوف والصوت۔ یعنی نکاح کے وقت دف اور آواز یعنی گانا اس کے حلال اور حرام ہونے میں فیصلہ کرتا ہے۔ یہ دونوں حدیثیں ترمذی جیسی مستند کتاب میں ہیں اور دوسری حدیث تو نسائی میں بھی مذکور ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ نکاح کو شہرت دینے کی کس قدر ضرورت ہے، اور اس شہرت دینے کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ سب لوگ اچھی طرح واقف ہو جائیں کہ فلاں مرد اور عورت ایک دوسرے کے لئے مخصوص ہو گئے۔

اب اگر کسی مجبوری یا کسی قومی ضرورت کی وجہ سے ایسا کرنا پڑے کہ ایک مرد ایک سے زیادہ عورتوں کو اپنے لئے مخصوص کرلے اور سب لوگوں میں اس کا اعلان بھی ہو جائے تو نکاح کی وہ اصلی غرض کہ دنیا میں فتنہ و فساد نہ ہو کسی طرح فوت نہیں ہوتی۔ یہ بات ہر وقت پیش نظر رہنی چاہئے کہ اسلام نے اپنے پیروؤں پر ایک سے زیادہ نکاح کرنا فرض نہیں کیا ہے بلکہ ضرورت اور مجبوری کی حالت میں صرف اجازت دی ہے اور وہ بھی ایسی سخت شرط کے ساتھ کہ جس کا پورا کرنا ہر گز ہر گز آسان نہیں ہے۔ ان تمام باتوں سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اسلام کے نزدیک صورت احسن تو یہی ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کے اصول پر عمل کیا جائے لیکن چونکہ وہ تمام دنیا کے لئے آیا ہے، اور خدائے پاک کا آخری پیغام ہے جس کے بعد کسی ترمیم یا تنسیخ کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے اس لئے اس میں مخصوص حالات کے لئے تھوڑی سی رعایت رکھ دی

گئی ہے تاکہ کسی قوم کو ایسا وقت کبھی پیش نہ آئے کہ اسلام کا قانون اسکے لئے ناکافی یا ناقابل عمل ٹھہرے۔ کسی مذہب کے بدرجہ اتم کامل واکمل ہونیکا اس سے بہتر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے سے پہلے انسانی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر اتفاقی حاجتوں کے لئے بھی مناسب رعایتیں رکھ دے۔ اسلام نے یہ اجازت دیکر عورت کی تذلیل یا توہین نہیں کی ہے بلکہ اسے اس شرمناک اور ذلیل حالت سے بچایا ہے جو اکثر جنگ و خونریزی کے بعد قوم میں مردوں کی تعداد کم ہو جانے سے پیدا ہوتی ہے اور عورتوں کو خاوندوں کی تلاش میں دربدر مارے مارے پھرنا پڑتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ کنواری عورتیں منہ چھوڑ کر اور شرم وحیا سب توڑ کر خود اپنی زبان سے مرد سے شادی کی درخواست کرتی ہیں اور مرد اپنی کمیابی سے مغرور ہو کر اپنی جگہ پر اس قدر گراں سنگ بن جاتا ہے کہ ایک نہیں بلکہ کئی کئی عورتوں کی درخواست کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا کرتا ہے۔ کاش لوگ سمجھتے کہ اسلام نے یہ کتنا بڑا احسان عورت پر کیا ہے!!

عورتوں کے اقتصادی حقوق

میں اسی کتاب کے شروع میں بتا چکا ہوں کہ دنیا میں بدترین قسم کی غلامی یہ ہے کہ انسان کی اپنی مالی حیثیت کچھ نہ ہو اور وہ اپنی ہر ضرورت کے لئے کسی دوسرے کا محتاج ہو۔ تمام دنیا کے سرمایہ داروں نے محض اپنے روپے کی قیمت سے جس طرح مزدوروں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے اس کی مثال ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے سے بڑے آزاد ملکوں کے فرد بھی تقریب قریب اسی حد تک سرمایہ داروں کے غلام بنے ہوئے ہیں کہ جیسے کمزور اور محکوم ملکوں کے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اب بالکل مجبور اور لاچار ہو کر تمام دنیا کے

مزدوروں نے سرمایہ داروں کے خلاف جنگ شروع کر دی ہے۔ روس کے مزدوروں نے تو سرمایہ داری اور بادشاہی سب کا خاتمہ کر ہی دیا! اب وہی تحریک نہایت تیزی کے ساتھ اور ملکوں میں بھی پھیلتی جا رہی ہے اور جا بجا مزدوروں کی باقاعدہ اور منظم انجمنیں قائم ہوتی چلی جا رہی ہیں۔

مزدور تو عام طور پر مرد تھے، جبکہ ان کی اقتصادی کمزوریوں نے انہیں اپنے ہی جیسے مردوں کا غلام بنا دیا، اور بالکل تباہ و برباد کر کے انہیں "تنگ آمد بجنگ آمد" پر مجبور کر دیا تو غریب عورتیں، تو یوں بھی کمزور صنف سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی جسمانی کمزوری کے ساتھ جب اقتصادی کمزوری بھی شامل ہو گئی تو ان کی تباہی جس قدر بھی ہوتی کم تھا۔ چالاک اور قابو پرست مرد نے اس بہانہ سے کہ وہ عورت کو کوئی تکلیف نہیں دینی چاہتا آہستہ آہستہ تمام کام اپنے ہاتھ میں لے لئے، اور اس کے لئے صرف یہ ایک کام چھوڑ دیا کہ پیٹ کی خاطر ہر وقت مردوں کی خدمت اور خوشامد کیا کرے اور روٹیاں کھایا کرے۔ مزدوروں کی طرح یورپ اور امریکہ کی عورتوں نے بھی مدتہائے دراز کے بعد اب جا کر کہیں اپنی اس تباہی کو محسوس کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان ملکوں کی عورتیں اب دن رات اسی کوشش میں لگی ہوئی ہیں کہ کسی طرح اس ذلت اور غلامی سے نجات حاصل کریں۔ انہیں مردوں سے نفرت ہو گئی ہے، اور وہ بہت باقاعدہ طریقہ پہ مردوں سے جنگ کرنے کے لئے اپنے آپ کو متحد اور تیار کر رہی ہیں۔

مرد اور عورت اس لئے نہیں پیدا کئے گئے تھے کہ ان میں آپس ہی میں جنگ شروع ہو جائے اور وہ ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں بلکہ منشاء فطرت تو یہ تھا کہ ایک نر اور ایک مادہ کے متحد ہو جانے سے ایک انسانی زندگی مکمل ہو جائے اور یہ اتحاد بھی جرمنی اور فرانس یا فرانس اور انگلستان کا سا اتحاد نہ ہو جو سیاسی اغراض کے لئے بروقت ضرورت ہو جایا کرتا ہے اور جسے مطلقاً کوئی قیام اور دوام نہیں ہوتا۔ اسلام

مذہب فطرت ہے، وہ کسی طرح بھی ایسی ناخوشگوار صورت حالات کو گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اسی لئے اس نے سب سے پہلے اس غلامی کی زنجیر ہی کو کاٹا جس نے عورت کے پاؤں باندھ رکھے تھے، اور کوشش کی کہ انسانی دنیا کی ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اسے جو مرتبہ حاصل تھا اسی پر اسے قائم رکھا جائے۔ مذہب کے قانون اگر کسی انسان نے بنائے ہوتے تو بالکل ممکن تھا کہ اس کی نظر عورت کی غلامی کے اصلی سبب تک نہ پہنچتی یا اگر یہ قانون بنانے والا کوئی مرد ہوتا تو وہ پھر بھی اپنے ہی صنف کے حقوق زیادہ رکھتا اور عورت کی حق تلفی کر لیتا، لیکن خدا سے زیادہ انسانی کمزوریوں سے اور کون واقف ہو سکتا ہے، اور اس سے زیادہ اپنی مخلوق کی دو صنفوں میں اور کون انصاف کر سکتا ہے۔ اس نے اپنے قانون کے ذریعہ سے سب سے پہلی ضرب اسی چیز پر لگائی جو عورت کی غلامی کا اصلی باعث تھی، اور نہایت صاف اور صریح الفاظ میں حکم دے کر عورت کی اقتصادی حیثیت کو درست کیا تاکہ اسے بے شرم اور بے حیا بن کر مرد کے آگے گداگری نہ کرنی پڑے، اور مرد اسے بالکل مجبور و ناچار سمجھ کر اس کے ساتھ حقارت اور ذلت کا برتاؤ نہ کرنے پائے۔

عورت، وہی عورت جو بالکل اسی طرح ایک انسان ہے جیسے کہ کوئی بڑے سے بڑا مرد ہو سکتا ہے، شیطان کی بیٹی، مجسمہ گناہ۔ اور سانپ بچھو سے زیادہ زہر بھری خیال کیجاتی تھی، اور یہ سب کچھ صرف اس لئے تھا کہ یا تو اس غریب کی حمایت کے لئے کوئی قانون موجود ہی نہ تھا، یا اگر تھا تو اسے مردوں نے اپنے حسب منشاء محرّف کر لیا تھا۔ اسلام نے پہلے تو مائیں اور بہنیں اور بیٹیاں۔ اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور خالائیں وغیرہ مردوں پر حرام کیں اور اس کے بعد انھیں حکم دیا کہ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ ط یعنی جو عورتیں تم پر حرام کر دی گئی ہیں ان کے

علاوہ اور سب تمہارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ ہوس رانی کے لئے نہیں بلکہ مہر کے بدلہ انہیں قید نکاح میں لانے کے لئے ان سے نکاح کرنا چاہو۔

عورتوں سے نکاح کرنے کے متعلق دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ وَ طَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَا اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَ لَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ یعنی اے مسلمانو آج تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں، اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے اور مسلمان عورتیں اور اہل کتاب کی عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ ان کے مہر اُن کے حوالہ کر دو اور تمہارا ارادہ انہیں نکاح میں لانے کا ہو نہ کھلم کھلا بدکاری کرنے کا اور نہ چوری چھپے یارانہ کرنے کا۔

جس آیت کی رو سے مسلمانوں کو لونڈیوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے اس میں بھی مہر کی شرط موجود ہے۔ بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ ج فَانْکِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ج یعنی تم ایک دوسرے کے ہمجنس ہو اس لئے بلا تامل لونڈیوں کے مالکوں کی اجازت سے ان کے ساتھ نکاح کر لو اور دستور کے مطابق ان کے مہر اُن کے حوالہ کر دو مگر شرط یہ ہے کہ وہ نکاح میں لائی جائیں اور تم ان سے مستی نکالنے والیوں کا سا تعلق رکھنا چاہو نہ چوری چھپے یارانہ کرنے والیوں کا سا۔

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مہر کے متعلق فرمایا ہے کہ احق

ما آن تیم به من الشروط ما استحللتم به الفروج - یعنی جن شرطوں کو کہ تم پورا کرتے ہو ان میں سب سے زیادہ ضروری اس شرط کا پورا کرنا ہے جس کی رو سے تم نے عورتوں کی ناموس اپنے لئے حلال کرلی ہے (یعنی مہر)

ان احکام سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ عورت کی اپنی مالی حالت کم از کم اتنی درست ضرور ہو جائے کہ خاوند اسے نادار، مفلس اور بے زر سمجھ کر اسے حقیر اور ذلیل چیز نہ خیال کرے اور یہ نہ سمجھے کہ وہ اس کی روٹیوں پر پڑی ہوئی ہے اور اپنے پیٹ کی خاطر ہر قسم کی زیادتیاں اور سختیاں سہنے پر اور اپنے خاوند کو محض اپنی دو روٹیوں کے لئے خوش رہنے پر مجبور ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ عملاً مسلمانوں میں بھی بکثرت ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں عورت کے ساتھ بالکل ویسا ہی حقارت آمیز برتاؤ کیا جاتا ہے، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مہر بھی اب مسلمانوں میں عام طور پر عورت کو ادا نہیں کیا جاتا لیکن یہ اعتراض اسلام پر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں پر ہے۔ مسلمانوں کی یہ انتہائی بدنصیبی ہے کہ وہ اپنے مذہب کے اصولوں کو چھوڑ بیٹھے ہیں اور اپنی حرکتوں کی بدولت اسلام جیسے سیدھے، سچے اور قابل قبول مذہب کو بدنام کر رہے ہیں۔

عورت کو روٹی کپڑا ہر قوم کے مرد دیتے ہیں لیکن اس کے متعلق قوانین ہر قوم میں موجود نہیں ہیں، اور کوئی قانونی حق موجود نہ ہونے کی صورت میں مرد بھی اسی زعم باطل میں مبتلا رہتا ہے کہ وہ روٹی کپڑا دیکر گویا عورت پر کوئی بڑا بھاری احسان کر رہا ہے اور عورت بھی اپنی حیثیت بالکل ایسی ہی محسوس کرتی رہتی ہے جیسے کوئی فقیر کسی کے دروازے پر پڑا رہتا ہو۔ اسلامی قانون بنانے والے کی دوربین نگاہوں نے اس خرابی کو بھی دیکھ لیا اور عورت کا نفقہ مرد کے ذمہ کرکے اسے عورت کا حق قرار دے دیا۔ حکیم بن معاویہ قشیری کا بیان ہے کہ قلت

یا رسول اللہ ما حق زوجۃ احدنا علیہ قال ان تطعمہا اذا طعمت و تکسوھا اذا اکسیت و لا تضرب الوجہ و لا تقبح و لا تہجر الا فی البیت - یعنی میں نے کہا یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص پر اس کی بیوی کا کیا حق ہے؟ فرمایا جس وقت تو کھائے اسے بھی کھلائے اور جب تو پہنے تو اسے بھی پہنائے۔ اور نہ تو اس کے منہ پر مارے اور نہ یہ کہے کہ تیری شکل اچھی نہیں ہے اور (آپس میں شکر رنجی ہو تو) گھر کے اندر ہی اُسے اپنے سے دور کرے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ان ھند ابنت عتبہ قالت یا رسول اللہ ان ابا سفیان رجل شحیح و لیس یعطینی ما یکفینی و ولدی الا ما اخذت منہ و ھو لا یعلم فقال خذی ما یکفیک و ولدک بالمعروف - یعنی عتبہ کی بیٹی ہند نے کہا کہ یا رسول اللہ! (میرا شوہر) ابو سفیان کنجوس آدمی ہے اور مجھے اتنا نہیں دیتا کہ میرے لئے اور میری اولاد کے لئے کافی ہو بجز اس کے کہ میں اس کی بے خبری میں چرا کر لے لوں۔ آپ نے فرمایا کہ جتنا دستور کے مطابق تجھے اور تیری اولاد کو کافی ہو لے لیا کر۔

اسلام عورت کو اس وقت بھی بے کسی اور مفلسی کی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتا کہ جب کوئی مرد بحالت مجبوری کسی عورت کو طلاق دے دے چنانچہ ارشاد باری ہے کہ اَسْکِنُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْھُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْھِنَّ - یعنی جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہے اُن کو عدت کے زمانہ میں جہاں تک ہو سکے وہیں رکھو جہاں تم خود رہو اور اُن پر تنگی کرنے کے لئے انہیں ایذا نہ پہنچاؤ۔ اسی مضمون کی ایک دوسری آیت بھی ہے۔ لَا تُخْرِجُوْھُنَّ مِنْ بُیُوْتِھِنَّ وَ لَا یَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ - یعنی عورتوں کو عدت کے زمانہ میں) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں لیکن اگر علی الاعلان بے حیائی کا

کوئی کام کر بیٹھیں تو مضائقہ نہیں۔

بے کس عورت کی خبر گیری میں اسلام نے صرف اسی ایک حکم پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ؕ یعنی اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ نہ لگایا ہو اور نہ ان کا مہر ٹھہرایا ہو اور انہیں طلاق دیدو تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ ہاں ایسی عورتوں کے ساتھ کچھ سلوک کرو مقدور والے پر اپنی حیثیت کے موافق اور بے مقدور والے پر اس کی حیثیت کے موافق سلوک کرنا لازم ہے اور سلوک دستور کے مطابق۔ جو لوگ احسان کرنے والے ہیں اُن پر عورتوں کا یہ بھی ایک حق ہے۔

سورہ بقرہ ہی کی ایک دوسری آیت ہے کہ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ؕ یعنی جن عورتوں کو طلاق دی جائے ان کے ساتھ علاوہ مہر کے دستور کے مطابق اور بھی کچھ سلوک کرنا مناسب ہے کیونکہ پرہیزگاروں پر یہ بھی ان کا ایک حق ہے۔

عورت کا حق میراث میں

یہ صرف مذہب اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ اس نے ترکہ اور میراث میں عورت کے بھی اسی طرح حقوق مقرر کئے ہیں کہ جیسے مرد کے خاوند۔ باپ' اور بھائی سب کی میراث میں عورت بحیثیت ایک بیوی یا بیٹی یا بہن کے حصہ دار ہے اور اس کا یہی حق ہے جس نے اسے ایک طرف تو مفلس اور نادار ہونے سے بچا لیا ہے اور دوسری طرف مرد کی نگاہوں میں حقیر اور ذلیل ہونے سے اسے محفوظ رکھا ہے۔ اسلام کے قوانین پر عمل پیرا ہونے کے بعد

عورت کو یہ مجبوری نہیں رہتی کہ وہ اپنے پیٹ کی خاطر مردوں کی خوشامد کرتی پھرے اور اپنے حسن کی نمائش اور اپنی اداؤں کی دل فریبی سے انہیں خوش کر کے اپنی طرف متوجہ کرنے میں کوشاں ہو۔ بلکہ اس کے برخلاف بسا اوقات اُس کی دولت کی وجہ سے بہت سے زر پرست مرد اس کی خوشامد کرنے اور اُسے اپنے حال پر مہربان بنانے کے متمنی رہتے ہیں۔

ماں کا حصہ میراث میں

وَلِاَبَوَیۡہِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنۡ کَانَ لَہٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَہٗۤ اَبَوٰہُ فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ ؕ یعنی مرنے والے کے ماں باپ دونوں میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے اس صورت میں کہ مرنے والے کے اولاد بھی ہو۔ لیکن اگر اس کے اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف ماں باپ ہی ہوں تو ایک تہائی ماں کا باقی باپ کا۔

بیوی کا حصہ

وَلَہُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکۡتُمۡ اِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّکُمۡ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ کَانَ لَکُمۡ وَلَدٌ فَلَہُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَکۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ تُوۡصُوۡنَ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ یعنی تم جو ترکہ میں چھوڑ دگے اس میں سے چوتھائی تمہاری بیویوں کا ہے اگر تمہارے کوئی اولاد نہ ہو لیکن اگر تمہارے اولاد ہو تو پھر انہیں آٹھواں حصہ تمہاری وصیت کی تعمیل اور ادائے قرض کے بعد۔

بیٹی کا حصہ

یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ ٭ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ۚ فَاِنۡ کُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَیۡنِ فَلَہُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ ۚ وَ اِنۡ کَانَتۡ وَاحِدَۃً

فَلَهَا النِّصْفُ ط یعنی تمہاری اولاد کے بارے میں خدا تم کو بتائے دیتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ دیا کرو، پھر اگر لڑکیاں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ترکہ میں اُن کا حصہ دو تہائی ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اُس کا حصہ آدھا ہے۔

دنیا میں ایک عورت کی چار ہی حیثیتیں ہو سکتی ہیں یعنی بیوی، ماں، بہن اور بیٹی، اور ان چاروں حیثیتوں میں اسلام کا اسے ترکے میں حصہ دلانا اس بات کا بدیہی ثبوت ہے کہ اسلام کسی طرح اور کسی حالت میں بھی ایک عورت کو بے کس اور بے پناہ چھوڑ دینے کے لئے تیار نہیں ہے، اور اس کی نگاہ میں ایک عورت کی وقعت اور اہمیت اسی قدر ہے کہ جیسی ایک مرد کی۔ اس مالی، یا اقتصادی آزادی نے جو عورت کو اسلام میں حاصل ہے سوسائٹی میں عورت کی ایک مستقل اور مخصوص حیثیت قائم کر دی ہے۔ اور فی الحقیقت اگر کسی چیز کو عورت کی آزادی کہا جا سکتا ہے تو وہ اسے تیتری بنا کر پھول پھول اور ڈالی ڈالی پھرنے کے لئے چھوڑ دینا نہیں ہے درحالیکہ اس کا ضمیر غلام ہو، بلکہ اسے اقتصادی آزادی دے کر بنی نوع میں اس کا وقار اور اقتدار قائم کر دینا ہے۔

کہا جا سکتا ہے اور کہا جا سکتا ہے کیا معنی، کہنے والے برابر کہتے ہی رہتے ہیں کہ اسلام نے پردہ کا حکم دے کر عورت کی آزادی چھین لی ہے اور اسے ایک قیدی بنا کر ڈال دیا ہے۔ اس اعتراض کا باعث صرف یہی ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ اسلام کے احکام پر نظر نہیں ڈالتے اور موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کے طرز عمل سے رائے قائم کر لیتے ہیں۔ مجھے اس کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ مسلمانوں نے پردہ کے معاملے میں ضرورت سے زیادہ سختی روا رکھی ہے، لیکن میں اسے ہرگز قابل تسلیم نہیں سمجھتا کہ مذہب کی طرف سے عورتوں کے لئے کوئی حد اور کوئی قید ہونی

ہی نہ چاہئے تھی۔ پابندیاں مردوں کے لئے بھی ضروری ہیں اور عورتوں کے لئے بھی، اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ جب فحش اور زنا کو بری چیز سمجھ کر ہمارا ملکی قانون بھی بعض پابندیاں عائد کرنا ضروری خیال کرتا ہے تو مذہب جس کا مقصد ہمارے نفس کی پاکیزگی اور ہمارے اخلاق کی درستی ہے کیوں نہ اس طرف توجہ کرے اور مردوں اور عورتوں پر ضروری پابندیاں اور قیود عائد کر دے۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام نے عورتوں پر زیادتی کی ہے کہ انہیں تو بعض قیود کا پابند بنا دیا ہے اور مردوں کو آزاد چھوڑ دیا ہے کہ جو چاہیں کرتے پھریں۔ لیکن موجودہ زمانے کے مسلمانوں کے طرز عمل کے علاوہ اس اعتراض کے ثبوت میں اسلام کا ایک حکم بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام نے جیسی جیسی اور جس جس قسم کی پابندیاں عورتوں پر عائد کی ہیں بالکل ویسی ہی اور تمام تر اسی قسم کی قیدیں مردوں پر بھی لگائی ہیں اور ان تمام قیود کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ قوم میں بدکاری اور فحش عام نہ ہونے پائے جس سے اسلام سخت متنفر ہے، اور جسے اچھا دنیا کا کوئی مذہب یا قانون بھی نہیں کہہ سکتا۔

پردہ کی قیود

غیر مسلموں ہی پر منحصر نہیں ہے، خود مسلمانوں میں بھی اکثر لوگوں کا یہی خیال ہے کہ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ عورت کا چہرہ اور جسم مردوں کی نگاہ سے پوشیدہ رہے۔ یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ اسلام کا اصلی مقصد صرف یہ ہے کہ فحش اور بدکاری عام نہ ہونے پائے اور جس طرح مختلف قسم کے جرموں کو روکنے کے لئے مختلف ملکی قانون بنا دیئے جاتے ہیں بالکل اسی طرح اسلام نے بھی لوگوں کی عصمت کے تحفظ کی خاطر چند قانون بنا دیئے ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص واقف ہی

کہ بدامنی یا بلوہ کے زمانہ میں حکومت کی طرف سے جنگی قوانین (مارشل لا) نافذ کردیئے جاتے ہیں اور حکم ہوتا ہے کہ کوئی شخص آٹھ یا نو بجے کے بعد رات کو گھر سے نہیں نکلیگا۔ ان قانونوں کا مطلب یا مقصد اصلی ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ لوگوں کا رات کے وقت گھر سے نکلنا بند کردیا جائے بلکہ صرف ان کی حفاظت مقصود ہوتی ہے اور گو وہ باعث تکلیف ہوں لیکن کوئی شخص انہیں اپنی توہین یا تحقیر کا باعث نہیں سمجھتا۔ لوگوں کو جرائم سے روکنے کے لیئے دس دس قدم پر ہر سڑک پہ پولیس کے سپاہی کھڑے رہتے ہیں اور گو یہ ایک قسم کی قید ہے کہ ہماری حرکات کو دیکھنے کے لیئے ہم پر اس طرح محتسب مقرر کردیئے جائیں لیکن چونکہ اس کا مقصد ہماری آزادی میں خلل ڈالنا نہیں ہے بلکہ امن عامہ کی حفاظت ہے اس لئے ہم ان سپاہیوں کی نگرانی کو اپنے لئے باعث ذلت نہیں خیال کرتے بلکہ اسے اچھا سمجھتے ہیں۔ ملکی قانون صرف اتنا ہی کرسکتے ہیں کہ وہ ہماری جسمانی حرکتوں کی نگرانی رکھیں اور اگر ہم سے کوئی جرم سرزد ہوجائے تو اس کی سزا ہمیں دیدیں لیکن مذہب کا کام اس سے بہت زیادہ بلند ہے وہ ہمارے خیالات کی اصلاح اور ہمارے نفس کی پاکیزگی کا کام اپنے ذمہ لے چکا ہے اس لئے وہ صرف اس پر اکتفا نہیں کرسکتا کہ چند پہرے والوں کو مقرر کردے جو ہماری حرکات کے نگراں رہیں بلکہ وہ ایسے قاعدے مقرر کرتا ہے اور ایسے قانون بناتا ہے کہ جرم اور گناہ کا ہمیں خیال ہی نہ آنے پائے اور اس طرح ہمارے نفس کا تزکیہ ہوجائے۔ اس سلسلہ میں اسلام نے جو چند پابندیاں عائد کی ہیں انکا اصلی مقصد عصمت کی حفاظت اور درستی اخلاق ہے نہ کہ عورت کو چاردیواری کے اندر قید کرنا، اور یہ پابندیاں صرف عورت کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے بلکہ عورت اور مرد دونوں کے لئے عام ہیں۔ وہ چند پابندیاں جن کا نام "پردے کے احکام" رکھدیا گیا ہے یہ ہیں۔ وَقُل لِّلْمُؤْمِنٰتِ

يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ - یعنی مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں - دوسرا حکم ہے کہ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا - یعنی اپنی زینتوں کو یا زینت کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں سوائے ان کے جو چار و نا چار کھلے ہی رہتے ہیں - تیسرا حکم ہے کہ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ - یعنی اپنے دوپٹے اس طرح اوڑھیں کہ گریبان چھپ جائے اور سینہ کھلا نہ رہے - چوتھا حکم ہے کہ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ - یعنی چلتے پھرتے زمین پر اس طرح زور زور سے پاؤں نہ ماریں کہ چھپے ہوئے زیوروں کی خبر آواز کی وجہ سے لوگوں کو ہو جائے - پانچواں حکم ہے کہ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى - یعنی عورتوں سے کہدو کہ وہ اپنے گھروں ہی میں قرار پکڑے رہا کریں اور اگلے زمانۂ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرا کریں - چھٹا حکم ہے کہ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ط یعنی اے پیغمبرؐ اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے سر کے رومال یا چادریں کسی قدر نیچے کو لٹکا لیا کریں تاکہ وہ پہچان لی جائیں کہ یہ نیک عورتیں ہیں اور انہیں چھیڑا نہ جائے -

ان میں سب سے پہلا حکم غض بصر کے متعلق ہے یعنی عورتوں کو حکم ملا ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں - اس سے لزوماً یہ تو ثابت ہو ہی جاتا ہے کہ عورتوں کو باہر نکلنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے کیونکہ اگر انہیں غیر مردوں کے

سامنے جانے کی اجازت ہی نہ ہوتی تو پھر نگاہ نیچی رکھنے کا حکم فضول تھا۔ گھر کے مرد جیسے خاوند، باپ بھائی وغیرہ تو سب محرم ہیں اور ان کے سامنے تو عورتیں اپنی زینتیں بھی کھلی رکھ سکتی ہیں جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے کہ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ الخ۔ یعنی عورتیں اپنے زینت کے مقامات سوائے اپنے شوہروں کے، اپنے باپ کے، یا اپنے شوہروں کے باپ کے (الخ) ور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں۔ صرف اتنی سی پابندی کہ وہ ادھر ادھر تاکتی جھانکتی نہ پھریں ہرگز ہرگز کوئی ناگوار قید نہیں کہلائی جاسکتی، اور اگر بفرض محال وہ قید ہی ہے تو بالکل یہی حکم انہی الفاظ میں مردوں کو بھی اس طرح دیا گیا ہے کہ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ یعنی اے پیغمبرؐ مسلمان مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ ایسی صورت میں کہ مردوں کو بھی بالکل وہی حکم دیا گیا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسلام نے عورت کو پابندیوں میں زیادہ جکڑا ہے۔

دوسرا حکم زینت کے مقامات کھلے رکھنے کے متعلق ہے۔ عورتوں کو حکم ملا ہے کہ سوائے اُن مقامات کے جن کا کھلا رہنا ضروری ہے اور جو کھلے ہی رہتے ہیں اپنے اور تمام زینت کے مقامات غیر مردوں کی نگاہ سے پوشیدہ رکھیں یعنی ایسا لباس پہن کر گھر سے باہر نکلیں کہ ان کے زینت کے مقامات پر مردوں کی نگاہ نہ پڑ سکے۔ کہا جاسکتا ہے کہ بالکل انہی الفاظ میں یہی حکم مردوں کو نہیں دیا گیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ بالکل یہی الفاظ اگر مردوں سے کہے جاتے تو وہ بے معنی اور فضول ہوتے کیونکہ زینت اور زینت کے مقامات عورتوں کیساتھ مخصوص ہیں۔ علاوہ بریں چونکہ تقسیم عمل کی رو سے

مردوں کے حصہ میں ہل جوتنا اور لکڑیاں کاٹنا آیا ہے اس لئے اگر گرم ملکوں کے مردوں کو کپڑے اتار دینے سے بالکل منع کر دیا جاتا تو انکے لئے مصیبت ہو جاتی۔ پھر بھی اس نے کسی قدر تخفیف کیساتھ مردوں کو بھی اپنا جسم پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور ناف سے لیکر زانو تک اپنے جسم کو پوشیدہ رکھنا ہر مسلمان مرد کیلئے لازمی ہے۔ اپنے جسم کا بیشتر حصہ یوں بھی عام عورت مرد چھپائے رکھتے ہیں اسلئے یہ حکم بھی عورتوں کیلئے کوئی قید اور کوئی پابندی نہیں ہے اور اس کا مقصد صرف اسقدر ہے کہ عورتیں مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنیکے لئے اپنی پنڈلیاں اور رانیں اور سینہ اور بازو کھولے نہ پھریں جیسا کہ آج کل خواتین مغرب کا دستور ہو گیا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یورپ کی اس برہنگی اور عریانی کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہے کہ حسن اور دلفریبی کی نمائش کیجائے، اور کون نہیں جانتا کہ اس نمائش میں بہت سے خطرات پنہاں ہیں۔ اسلام انسانی کمزوریوں سے اچھی طرح واقف ہے اور وہ عورتوں کو حسن فروشی کی اجازت دینی نہیں چاہتا جسکا نتیجہ آخر فحش اور بدکاری ہے۔ اپنے تمام جسم کو کپڑوں سے پوشیدہ رکھنا اگر کوئی قید ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ قید یورپ کے مردوں نے بدرجہ اتم اپنے لئے گوارا کر لی ہے کیونکہ وہاں کے آداب مجلس کے مطابق کوئی مرد پورے کپڑے پہنے بغیر عورتوں کے سامنے نہیں جا سکتا۔ اس حکم میں بھی عورت پر کوئی غیر ضروری پابندی یا تکلیف دہ قید عائد نہیں کی گئی ہے اور اسکی رو سے بھی وہ مجبور نہیں ہے کہ گھر کے اندر بند بیٹھی رہے یا اپنا چہرہ مردوں کی نظر سے پوشیدہ رکھے۔ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ یعنی وہ مقامات ...... جنکا کھلا رہنا ضروری ہے اس کی تفسیر ایک حدیث میں خود جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرما دی ہے کہ اس سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں، اور بڑے بڑے مفسرین کی بھی یہی رائے ہے کہ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے مطلب عورت کا چہرہ اور اسکے ہاتھ ہی ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت اسماء بنت ابو بکر رضہ باریک کپڑے پہنے

ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئیں تو آپ نے انکی طرف سے منھ پھیر لیا اور فرمایا کہ اے اسماء جب لڑکی جوان ہو جائے تو اس کے کسی حصہ جسم پر مرد کی نظر نہ پڑنی چاہیئے سوائے چہرہ اور ہاتھوں کے۔ ہندوستان میں عام طور پر مسلمان حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں انکا مسلک بھی یہی ہے کہ عورت کا چہرہ، ہاتھ اور پاؤں ستر میں داخل نہیں ہیں۔ یورپ کے مردوں کا بھی صرف چہرہ اور ہاتھ ہی کھلے رہتے ہیں اور اس بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ باقی جسم کو ڈھکا رکھنا عورت کیلئے یہی کسی طرح قید یا پابندی نہیں ہے۔

تیسرا حکم عورتوں کو یہ ملا ہے کہ اپنے دوپٹے اس طرح اوڑھیں کہ گریبان چھپ جائے اور سینہ کھلا نہ رہے۔ اس حکم میں بھی کہیں یہ نہیں لکھا ہے کہ عورتیں چار دیواری کے اندر بند رہیں یا یہ کہ اپنا چہرہ نہ کھولیں بلکہ حقیقتاً یہ حکم بھی دوسرے حکم کا ایک جزو ہے سینہ زینت کا مقام ہے اور اسے چھپانے کا ذکر دوسرے حکم میں آچکا ہے اور اس حکم میں پھر سینہ کا ذکر الگ نام لے کر کر دیا گیا ہے۔ اگر یہی مان لیا جائے کہ یہ الگ ایک حکم ہے اور اس میں عورتوں کو اپنا ایک خاص لباس ایک خاص طور پر پہننے کا حکم دیا گیا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ بالکل اسی قسم کے حکم سے مرد بھی بچے ہوئے نہیں ہیں۔ مردوں کو بھی ان کے تہہ بندوں کے متعلق حکم ملا ہے کہ تہہ بند اس طرح نہ باندھیں کہ اُن کے سرے زمین پر گھسٹتے ہوئے چلیں۔

چوتھا حکم عورتوں کو یہ ملا ہے کہ وہ اس طرح زمین پر پاؤں مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ ان کے زیورات کی آواز دور دور تک مردوں کی نگاہوں کو ان کی طرف متوجہ کرے۔ اس حکم میں بھی کوئی تکلیف دہ پابندی عورتوں پر عائد نہیں کیگئی ہے اور کوئی سنجیدہ مزاج اور شریف عورت خود ہی اس کو پسند نہ کرے گی کہ بازاروں میں ناچتی پھرے۔ اور اگر اسے ایک قید

یا پابندی ہی فرض کر لیا جائے اور یہی مان لیا جائے کہ عورتوں کو ناچنا اور برسرِ عام تھرکنا بہت مرغوب ہوتا ہے اور اس حکم نے انھیں اپنی ایک پسندیدہ حرکت سے روک دیا تو ہم دیکھتے ہیں کہ مردوں کو بھی سینہ تان کر اور اکڑ کر چلنے سے منع کیا گیا ہے۔ عورتوں کو اگر ایسی چال چلنے سے روکا گیا ہے کہ جس سے ان کے زیوروں کی جھنکار بلند ہو کر مردوں کی نگاہوں کو اُنکی طرف متوجہ کرے تو مردوں کو بھی ایسی رفتار سے منع کیا گیا ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنے جسم کا مردانہ نشو ونما عورتوں کو دکھا سکیں اور اس طرح اس حکم میں مرد اور عورت دونوں برابر ہو گئے۔

پانچواں حکم یہ ہے کہ عورتیں اپنے گھروں ہی میں جمی بیٹھی رہا کریں اور زمانہ جاہلیت کی طرح اپنا بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرا کریں۔ اس حکم میں بھی عورتوں کو کسی خاص قید کا مکلف نہیں بنایا گیا ہے کیونکہ تقسیم عمل کی رو سے یوں بھی عورتوں کے حصہ میں گھر ہی کا کام کاج آیا ہے اور اگر وہ اپنے حصہ کا کام پورے طور پر انجام دینا چاہتی ہیں تو انہیں اپنا بہت زیادہ وقت گھر کے اندر ہی گزارنا پڑیگا۔ اس آیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ عورتیں کسی وقت اور کسی حالت میں گھر سے نکلیں ہی نہیں کیونکہ اوپر جتنے حکم عورتوں کے متعلق آچکے ہیں وہ سب کے سب اسی حالت کیلئے ہیں کہ جب وہ گھر سے باہر ہوں اور اگر گھر سے باہر نکلنا اُنکے لئے ممنوع ہوتا تو پھر اُن میں سے کسی حکم کی بھی ضرورت نہ تھی علاوہ بریں خود امہات المومنین رضی یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا گھر وں سے نکلنا بروایات صحیحہ ثابت ہے اسلئے اس حکم کا یہ مطلب تو ہو ہی نہیں سکتا کہ عورتوں کو گھر سے باہر قدم نکالنا منع ہے البتہ انہیں بے کار اور فضول آوارہ گردی سے روکا گیا ہے اور انہیں بتایا گیا ہے کہ اُنکی اصلی جگہ اُنکا گھر ہے اور وہیں اُنہیں اپنا زیادہ وقت گزارنا چاہئے نہ کہ سیر و شکار اور تھیٹر و بائسکوپ اور میلوں ٹھیلوں میں۔ یہ حکم بھی صرف عورتوں کیلئے مخصوص نہیں ہے اور ایک دوسرے مقام پر کلام پاک میں موجود ہے کہ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّنۢ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا یعنی اللہ ہی نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو ٹھکانا بنایا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

مبارک نے بھی ہے جو ایک صحابی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ قلت یا رسول اللہ ما النجاۃ قال امسک علیک لسانک ولیسعک بیتک وابک علی خطیئتک (ترمذی) یعنی میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ نجات کیا ہے فرمایا کہ اپنی زبان بند رکھو اپنے گھر میں قیام رکھو اور اپنے گناہوں پر آنسو بہاؤ۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ پردہ کے اس حکم میں بھی عورتوں کی تخصیص نہیں ہے اور گھر میں بیٹھنے کا حکم عورتوں اور مردوں دونوں ہی کو ملا ہے۔

چھٹا حکم اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اے پیغمبر اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہدو کہ اپنے "جلباب" کسی قدر نیچے کر لیا کریں تاکہ ایک امتیازی شان پیدا ہو جائے اور لوگ انہیں دور ہی سے پہچان لیا کریں کہ یہ خراب اور آوارہ عورتیں نہیں ہیں اور انھیں چھیڑنے سے باز رہیں۔ اس حکم سے بھی ضمناً یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ عورتوں کا گھروں سے باہر نکلنا ممنوع نہیں ہے اور انہیں صرف یہ حکم ملا ہے کہ اپنے لباس کے ایک حصّہ کو ایک خاص طریقہ پر پہنا کریں تاکہ دوسری عورتوں سے ممتاز ہو جائیں۔ "جلباب" کا ترجمہ بعض مترجموں نے چادر کیا ہے، اور بعض نے "جلباب کے نیچا کرنے" کا مطلب گھونگٹ نکال لینا بتایا ہے، اور لغت میں اسکے معنی سر پر باندھنے کا کپڑا یا رومال ہیں۔ بہرحال وہ چادر ہو یا رومال' مقصد جیسا کہ خود آیت سے ظاہر ہے یہ ہے کہ مسلمان عورتیں اپنے لباس کی ایک خاص اور امتیازی وضع بنالیں تاکہ پہچان لی جائیں اور کوئی انہیں چھیڑے نہیں۔ اگر جلباب نیچے کرنیکا مقصد یہ ہوتا کہ اُن سے چہرہ ڈھکجائے تو آیت میں یہی غرض بیان کیجاتی اور یہ نہ کہا جاتا کہ ذٰلِکَ اَدْنٰی اَنْ یُّعْرَفْنَ یعنی اس سے یہ الگ پہچان لیجائینگی۔ وضع و لباس کو غیر مسلموں سے ممتاز بنانے کا حکم بھی صرف عورتوں کو نہیں ملا ہے اور اس حکم کے متعلق بھی کسی طرح یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسلام نے صرف عورتوں پر کوئی پابندی عائد کی ہے۔ عورتوں کو اگر جلباب نیچے کرنیکی ہدایت کی گئی ہے تاکہ انکی وضع دوسری عورتوں سے ممتاز ہو جائے تو مردوں کو داڑھیاں بڑھانے اور لبیں ترشوانے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اُنکی وضع بھی دوسرے مردوں سے الگ اور ممتاز رہ سکے۔ بکثرت لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ

اسلام کا مقصد یہ ہے کہ عورت چار دیواری کے اندر بند رہے اور کوئی مرد اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔ لیکن یہ حقیقت نہیں ہے۔ اسلام کو نہ دیواروں سے غرض ہے اور نہ چہرہ مہرہ سے۔ اسلام کا اصلی منشاء اور حقیقی مقصد صرف فحش اور زنا کا سدباب کرنا ہے اور اس مقصد کے لئے جو کچھ بھی کرنا پڑے وہ سب اُس کے منشاء کے عین مطابق ہوگا۔ ایسے موقعے پہلے بھی پیش آچکے ہیں اور شاید ہمیشہ پیش آسکتے ہیں کہ جب کسی ملک میں بدامنی پھیلی ہوئی ہو اور بدمعاش اور ہوس پرست لوگ اکیلی دکیلی عورتوں کو پکڑلیں۔ ایسی حالت میں مسلمانوں ہی پر کیا منحصر ہے ہر قوم کے مرد غالباً یہی تدبیر اختیار کریں گے کہ عورتوں کو گھروں میں بند کردیں۔ بلکہ بدامنی کی صورت میں تو عورتیں ہی نہیں بسا اوقات خود مرد بھی گھروں کے اندر بند رہنے ہی میں اپنی سلامتی دیکھتے ہیں۔ اسلام بھی ایسی صورت میں عورتوں کا بند کیا جانا گوارا اور پسند کرے گا۔ لیکن اگر حالات ناموافق نہوں۔ قوم کے مردوں کا اخلاق اچھا ہو اور وہ ایک عورت کی عزت کا پورا پورا احترام کرنا جانتے ہوں تو اسلام کا کوئی حکم عورت کو اس بات پر مجبور نہیں کرتا کہ وہ گھر سے باہر پاؤں نہ نکالے یا یہ کہ اپنے چہرہ اور اپنے ہاتھوں کو بھی مردوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھے۔ اسلامی پردہ کی پوری پوری پابندی کرکے اور "ماظہر منہا" کے سوا اپنی تمام زینتیں چھپا کر ایک عورت اپنے تمام ضروری کام خواہ وہ گھر سے باہر کے ہوں یا گھر کے اندر کے، بلاتکلف انجام دے سکتی ہے، اور ایسی حالت میں ہر منصف مزاج اس بات کے اعتراف پر مجبور ہوگا کہ اسلام نے جو کچھ کیا ہے وہ عورت کی عزت بڑھانے اور اسکی عظمت اور اُس کا وقار قائم رکھنے کے لئے کیا ہے۔ نہ کہ اس کی توہین و تذلیل کے لئے۔ موجودہ زمانہ میں جو پردہ کہ ایک رسم کے طور پہ اختیار کرلیا گیا ہے وہ مسلمانوں نے بطور خود اختیار

کیا ہے اور غالباً کوئی وقت ایسا گزرا ہوگا کہ جب تحفظ عصمت کے لئے عورتوں کو مردوں کی نگاہوں سے بالکل پوشیدہ رکھنا ضروری ہو گیا ہو، اور وہی دستور آج تک چلا آرہا ہے۔ یہ مسلمانوں کا اپنا فعل تھا، اور جس طرح ضرورت کے وقت اپنی جان بچانے کے لئے درخت پر چڑھ جانا یا گھر کے کسی کونہ میں چھپ چھپا نا جائز ہوتا ہے اسی طرح حفظ ناموس کے لئے عورتوں کا چار دیواری میں پناہ لینا بھی بالکل جائز اور ضروری تھا۔ جو کچھ کہ ضرورت کے وقت مجبور ہو کر کیا گیا تھا اسے اپنی عادت اور اپنا شعار بنا لینا مسلمانوں کی اپنی مرضی اور اپنے ارادہ سے ہوا ہے ورنہ مذہب ان پر کوئی ایسی قید عائد نہیں کرتا۔ اسلام صرف اس قدر چاہتا ہے کہ عورتیں اپنی زینتیں اور اپنے بناؤ سنگار مردوں کو دکھاتی اور ناچتی تھرکتی آوارہ نہ پھریں اور اس طرح اپنے آپ کو حقیر اور ذلیل نہ بنائیں اور فحش وزنا کی راہ میں آسانیاں بہم نہ پہنچائیں اور یہ قید یا پابندی مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے ہے۔

پردے یا تحفظ عصمت کے سلسلہ میں اسلام نے جو کچھ قیود بھی عائد کی ہیں ان پر تو ہم نظر ڈال چکے اور ہم نے دیکھ لیا کہ اس سلسلہ میں اسلام نے کسی قسم کی کوئی سختی یا شدت عورت پر ایسی نہیں روا رکھی ہے جو مرد کے لئے بھی روا نہ رکھی ہو اور اگر حفظ عصمت کے انہی احکام کا نام "پردہ کی قیود" ہے تو کسی طرح بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ پردہ کی قید سے مرد آزاد رکھے گئے ہیں۔ اگر آزادی حاصل ہے تو مرد اور عورت دونوں کو حاصل ہے اور اگر پابندی اور قید ہے تو دونوں کے لئے ہے۔ اب مناسب یہ ہوگا کہ ہم ایک نظر اُن قوانین پر بھی ڈال لیں جو ان گناہگاروں سے متعلق ہیں جو پردہ کی قید کو توڑ دیں۔ ظاہر ہے کہ اگر اس معاملہ میں اسلام کو مرد کی کوئی رعایت منظور ہوتی تو ان گناہوں کی پاداش میں کہ جو پردہ توڑ دینے یا یوں کہئے کہ عصمت کی حفاظت نہ کرنے کی حالت میں سرزد ہوتے ہیں مرد کو عورت کی بہ نسبت کسی قدر کم سزا کا مستحق قرار دیا جاتا۔ پردہ کی قیود جو کچھ بھی ہیں ہر حال

ان کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ عصمت کی حفاظت ہو سکے، اور ان قیود کو توڑ دینے کا برے سے برا نتیجہ جو نکل سکتا ہے وہ فحش اور زنا ہے۔ اگر پردہ کی قیود صرف عورت کے لئے ہوتیں اور مرد ان سے آزاد ہوتا تو لازمی طور پر ان قیود کے توڑنے اور فحش و زنا کے مرتکب ہونے کا تمام تر الزام عورت پر عائد کیا جاتا کیونکہ پابندیاں اسی پر عائد کی گئی تھیں اور اس نے انھیں توڑ دیا۔ اور مرد سے اگر بازپرس ہوتی تو صرف اس قدر کہ وہ ترغیب و تحریص میں کیوں آگیا، اس لئے از روئے انصاف عورت کو زیادہ قصوروار ہونے کی وجہ سے زیادہ سزا اور مرد کو کم قصوروار ہونے کی وجہ سے کم سزا ملنی چاہئے تھی۔ حق سبحانہٗ تعالےٰ کو اگر ہم عادل اور منصف مانتے ہیں تو ہم کسی حالت میں بھی اس سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ باوجود اس کے کہ مرد نے کوئی پابندی نہیں توڑی ہے پھر بھی اسے اتنی ہی سزا دے کہ جتنی اس عورت کو دیتا ہے جو ارتکاب جرم میں تو مرد کے ساتھ برابر کی شریک ہے اور جس نے اس کے علاوہ ان پابندیوں کو بھی توڑا ہے جو اس پر عائد کی گئیں تھیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے سورۂ نور میں زانی اور زانیہ کی سزا اس طرح مذکور ہے۔ کہ

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ص یعنی جو عورت زنا کی مرتکب ہو اور جو مرد زنا کا مرتکب ہو ان دونوں میں سے ہر ایک کے سو سو کوڑے مارو۔ زانی اور زانیہ کی سزا میں ذرا سا بھی فرق اور خفیف سا بھی امتیاز نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام کی نگاہوں میں

مرد کو اس معاملہ میں عورت پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے، اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جب زنا کی سزا دونوں کے لئے بالکل ایک ہے تو زنا کو روکنے کے لئے جو پابندیاں اور جو قیود عائد کی گئی ہوں وہ بھی ایک سی ہونی چاہئیں ورنہ مرد اپنا یہ دعوے پیش کرنے میں بالکل حق بجانب ہوگا کہ اس کے لئے کوئی قیود نہ تھیں اور عورت کی طرح اس نے کسی پابندی اور کسی قید کو نہیں توڑا ہے اس لئے اُسے نسبتاً بہت کم سزا ملنی چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت کو چار دیواری کے اندر بند کر دینا یا اس کے چہرہ کو غیر مردوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنا ہرگز مقصد نہیں ہے بلکہ یہ مقصد اصلی کے حصول کا صرف ایک ذریعہ ہے جو ضرورت وقت نے ایجاد کرا دیا۔ اور مقصد اصلی جو کچھ ہے وہ "تحفظ عصمت" ہے اور اس کے لئے مرد اور عورت دونوں بالکل یکساں طور پر ذمہ دار ہیں۔

اچھا برتاؤ

اسلام کی نگاہ میں ایک عورت کی کس قدر عزت ہے اس کا اندازہ ان احکام سے ہوسکتا ہے جو عورتوں کے ساتھ برتاؤ کرنے کے متعلق مردوں کو دیئے گئے ہیں۔ وہی عورت جسے دوسرے مذاہب ناپاک اور نجس خیال کرتے ہیں اور جسے سانپ کے زہر جہنم اور شیطان کی جیتی کے ناموں سے یاد کرتے ہیں اسلام کے نزدیک خدا کی اتنی ہی عزیز مخلوق ہے کہ جتنا کوئی مرد ہو سکتا اور یہ دیکھ کر کہ مرد چونکہ قوت اور طاقت میں عورت پر فائق ہے اس لئے اندیشہ ہے کہ وہ عورت کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کرے وہ بار بار مرد کو حکم دیتا ہے کہ عورت کے تمام حقوق ادا کئے جائیں اور اُسکے ساتھ بہت ہی نرمی اور شفقت کا برتاؤ کیا جائے۔ خدائے بزرگ و برتر کا ارشاد ہے کہ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ

کرہتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئاً و یجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً۔ یعنی اے مسلمانو! اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک سے رہو سہو اور تم کو کسی وجہ سے بیوی ناپسند ہو تو عجب نہیں کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ اسی میں بہت سی خیر و برکت دے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعدد ارشادات میں عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تاکید فرمائی ہے چنانچہ حضرت عائشہ رض سے مروی ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی واذا مات صاحبکم فدعوہ (ترمذی) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سب میں بہتر وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ بہترین آدمی ہو اور میں اپنے اہل کے لئے تم سب میں بہت بہتر ہوں اور جب تمہارا کوئی دوست مر جائے تو اس کے عیب ظاہر نہ کرو۔

ایک اور حدیث حضرت ابی ہریرہ سے مروی ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکمل المومنین ایماناً احسنھم خلقاً والطفھم باھلہ (ترمذی) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان میں سب سے زیادہ ایماندار وہ شخص ہے جو خلق میں بہت اچھا ہو اور اپنے بیوی بچوں کے ساتھ سب سے زیادہ نرمی کا برتاؤ کرتا ہو۔

بیویوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ استوصوا بالنساء خیراً فانھن عوان عندکم لیس تملکون منھن شیئاً غیر ذلک الا ان یاتین بفاحشۃ الخ یعنی عورتوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آؤ وہ صرف تمہارے عقد نکاح میں ہیں اس کے سوا تمہیں ان پر سختی روا رکھنے کا کوئی اختیار نہیں ہے سوائے اس صورت کے کہ وہ کوئی کھلی ہوئی بے حیائی کریں (ترمذی)

بیوہ اور بیکس و بے مددگار عورتوں کی امداد کے متعلق مسلمانوں کو ان کے ہادی برحق نے یہ حکم دیا ہے کہ الساعی علی الارملۃ والمسکین کالمجاھد فی سبیل اللہ او کالذی یصوم النہار و یقوم اللیل (مسلم، مالک، ابوداؤد) یعنی بیوہ عورت اور مسکین کی مدد کرنے والا ایسا ہے جیسا خدا کی راہ میں جہاد کرنے والا یا دن بھر روزہ رکھنے والا اور تمام رات عبادت الٰہی میں گزارنے والا۔

حالت جنگ میں آج بھی باوجود اس ہمہ ادعائے تہذیب و ترقی غریب عورتیں اور بچے قتل ہونے سے نہیں بچتے' اور گو اخلاقاً قریب قریب ہر ایک قوم اس اصول کو مانتی ہے کہ بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا چاہیئے لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے کسی مذہب نے اپنے پیروؤں کو اس نازیبا حرکت سے حکماً منع نہیں کیا ہے' بلکہ یورپ کے عیسائی پادری تو خصوصیت کے ساتھ اس شرمناک حرکت کے لئے بدنام ہیں کہ انہوں نے صدہا اور ہزارہا عورتوں کو جادوگرنیاں قرار دیکر طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کرا دیا یا جلوا دیا۔ مذاہب عالم میں سے اسلام ہی کو اس ضروری چیز کی طرف توجہ ہوئی اور پیغمبر اسلام نے مسلمانوں کو حکم دیدیا کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے۔

صحاح ستہ میں سے نسائی کے سوا اور تمام کتابوں میں یہ حدیث مذکور ہے عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال وجدت امرأۃ مقتولۃ فی بعض مغازی رسول اللہ فنہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عن قتل النساء والصبیان یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی جنگ میں میں نے دیکھا کہ مقتولوں میں ایک عورت بھی ہے پس جناب رسول اللہ صلعم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرما دیا۔

تہذیب یافتہ دنیا آج اپنے اس دستور پر فخر کر رہی ہے کہ اسکے مرد باشندے عورت کو دیکھتے ہی اسکی تعظیم کے خیال سے ٹوپی سر سے اتار کر گویا سلام کرتے ہیں۔ یہ رسم صرف

ان کے آداب مجلس میں داخل ہے ورنہ اُنکا مذہب تو عورت کے وجود کو دنیا کے لیے لعنت اور مصیبت بتاتا ہے۔ پیغمبر اسلام روحی فداہ اپنے پیروؤں کے لیے یہ اُسوۂ حسنہ بھی چھوڑ گئے ہیں کہ آپ عورتوں کو سلام کرنے میں سبقت فرماتے تھے چنانچہ اسماء بنت یزید سے منقول ہے کہ مر علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نسوۃ فسلم علینا (ابوداؤد) یعنی ہم چند عورتوں کے پاس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا اور آپ نے ہمیں سلام کیا۔ اسی روایت میں ترمذی میں یہ منقول ہے کہ آپ نے ہاتھ سے بھی سلام کا اشارہ کیا۔

عورتوں کی دلدہی اور خاطر تواضع اسلام میں اس حد تک ضروری خیال کی گئی ہے کہ حدیث کے مطابق اس شخص کو کہ جو ایسی عورت سے تعزیت کرے جس کا بچہ مرگیا ہو جنت میں چادر پہنائی جائے گی۔ وہ حدیث یہ ہے من عزی ثکلی کسی بردا فی الجنۃ (ترمذی)

ماں باپ کے حقوق کسی نہ کسی حد تک ہر ملک اور ہر قوم میں تسلیم کئے جاتے ہیں اسلام نے ماں باپ کے حقوق پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور کلام الٰہی میں متعدد موقعوں پر ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کے احکام آئے ہیں۔ ان احکام میں ماں اور باپ دونوں شامل ہیں اس لئے میں انہیں اس جگہ نقل نہیں کرتا لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں لکھے دیتا ہوں جن سے یہ معلوم ہوسکے گا کہ اولاد پر باپ سے ماں کا حق زیادہ ہے اور اس سے کون ناواقف ہوگا کہ ماں ہمیشہ عورت ہی ہوتی ہے۔ ایک حدیث ہے کہ جاء رجل فقال یا رسول اللہ من احق الناس بحسن صحابتی قال امک قال ثم من قال امک قال ثم من قال امک قال ثم من قال ابوک ثم ادناک فادناک (ابوداؤد) یعنی ایک شخص آیا اور بولا کہ یا رسول اللہ میرے اچھے سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے آپ نے فرمایا کہ تیری ماں اس نے

کہا اس کے بعد آپ نے پھر فرمایا کہ تیری ماں اس نے پھر پوچھا کہ پھر آپ نے پھر بھی یہی فرمایا کہ تیری ماں اس نے پھر پوچھا کہ پھر کون مستحق ہے تو آپ نے فرمایا کہ تیرا باپ اور پھر تیرا قریبی رشتہ دار اور پھر اس سے دور کا رشتہ دار۔ متواتر تین مرتبہ ماں کو حسن سلوک کا حقدار بتانا اور پھر اس کے بعد چوتھی مرتبہ باپ کا ذکر کرنا اچھی طرح ظاہر کر رہا ہے کہ جہاں تک ہمارے حسن سلوک کا تعلق ہے ہماری مائیں یعنی عورتیں ہمارے باپوں یعنی مردوں کی بہ نسبت بہت زیادہ حقدار ہیں۔ دوسروں کی حسین و جمیل بیویوں کے سامنے تعظیم کے لئے خم ہو جانا، اور نوجوان اور ناکتخدا مسوں کے سامنے چھ چھ مرتبہ ٹوپی اتارنا تو یقیناً مغربی تہذیب نے بھی مغرب کے مردوں کو سکھا دیا ہے لیکن بوڑھی ماں کی خدمت کرنا اور اس باپ سے بھی زیادہ اس کی خدمت کرنا جس کی میراث ہمارے حصہ میں آنے والی ہے ہمیں اسلام اور صرف اسلام ہی سکھاتا ہے اور اسی حکم سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ عورت کی حقیقی عزت اور عظمت کا سبق اسلام نے دیا ہے یا مغربی تہذیب نے۔ مغربی تہذیب بوڑھی اور از کار رفتہ بیواؤں کی طرف نگاہ التفات کرنا ضروری نہیں خیال کرتی اور اس کے برخلاف اسلام ہم سے ان عورتوں کی زیادہ عزت اور تعظیم کراتا ہے کہ جن کی کوئی بات پوچھنے والا نہ ہوتا کہ فرقۂ اناث ذلیل اور بے عزت نہ ہونے پائے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ ارادت ان اغزو وقد جئت استشیرک فقال ھل لک من ام قال نعم قال فالزمھا فان الجنۃ عند رجلھا (نسائی) میرا ارادہ ہے کہ جہاد کروں اور حضور کا مشورہ چاہتا ہوں آپ نے پوچھا تیری ماں ہے کہا ہاں تو فرمایا کہ بس اسی کی خدمت میں حاضر رہ کیونکہ جنت اسی کے قدموں کے پاس ہے۔ بعض مذہبوں نے عورت کا نام "دوزخ" رکھا ہے لیکن اسلام بتاتا ہے کہ اسکے قدموں میں جنت ہے ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا!

لیکن پھر بھی بہت سے "منصف مزاج" لوگ اسلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس نے عورت کو ذلیل کر دیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آ کر عرض کیا کہ مجھ سے ایک بہت بڑا قصور ہو گیا ہے کیا میرے لئے توبہ کرنے کی کوئی صورت ہے۔ حضور نے پوچھا کہ کیا تیری ماں ہے اس نے کہا کہ نہیں تو آپ نے فرمایا کہ کوئی خالہ ہے اس نے عرض کیا کہ جی ہاں تو بے کسوں کے والی نے اسے اپنے گناہ کا کفارہ یہ بتایا کہ اپنی خالہ سے نیک اور اچھا برتاؤ کیا کرے وہ حدیث یہ ہے۔ قال انی اصبت ذنبا عظیما فھل لی من توبۃ قال ھل لک من اُم قال لا قال ھل لک من خالۃ قال نعم قال فبرھا۔

"مہذب" اور "ترقی یافتہ" دنیا میں اگر کسی عورت کی کچھ پوچھ ہے تو یا تو حسین اور نوخیز کنواری لڑکیوں کی یا پھر کسی حد تک دوسروں کی خوبصورت بیویوں کی اور اگر کوئی بہت ہی نیک انسان ہوا تو وہ بیوی اور ماں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آ سکتا ہے لیکن خالہ؟ خالہ تو ہرگز ہرگز کوئی وجہ دلکشی نہیں رکھتی اور اسکے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا کبھی کسی "شریف" مرد کو خیال نہیں آ سکتا۔ اسلام کہتا ہے کہ اگر ماں نہیں ہے تو خالہ ہی کی خدمت کرنے سے بڑے سے بڑا گناہ معاف ہو سکتا ہے

ایسے ایسے صاف اور صریح احکام کے باوجود بدنام پھر بھی اسلام ہی کو کیا جاتا ہے کہ اس نے عورتوں پر بڑے بڑے ظلم کئے ہیں اور انہیں طرح طرح کی قیود میں مبتلا کر دیا ہے، اور اسکی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اسلام انسانی فطرت سے اچھی طرح واقف ہے اور وہ ایسے موقعوں سے اپنے پیروؤں کو بچانا چاہتا ہے کہ جب ایک مرد اور ایک عورت کی یکجائی خطرناک ہو سکتی ہے۔ صرف اس ایک قید کے سوا کہ وہ فحش اور زنا کے قریب نہ جائیں اور جس میں مرد اور عورت دونوں برابر کے شریک ہیں اسلام نے عورت کو کسی بات کے لئے پابند اور مقید نہیں کیا ہے اور یہ قید بھی صرف

انہی لوگوں کی نگاہوں میں قید و بند ہے کہ جنکا مقصد نفس پرستی اور گلشن جہاں کی آزادانہ گل چینی ہو ورنہ فی الحقیقت اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ عورت مردوں کے بہکانے میں آکر اور فحش کے راستہ کو اختیار کر کے اپنے آپ کو ذلیل و خوار نہ کرے اور مرد اسے ایسی بے وقعت اور حقیر چیز نہ سمجھنے لگیں کہ جسے چند خوبصورت زیوروں اور دو چار مرتبہ تھیٹر اور بائسکوپ کی دعوتوں کے بدلے میں خریدا جا سکے

اسلام اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہے کہ وہی مرد جو اپنی غرض کے لئے اور اپنی ضرورت کے وقت ہزار طرح کے لالچ دیکر بھی ایک عورت کو فریب دینے سے باز نہیں آتے وہ اپنی غرض پوری ہو جانے کے بعد اسی عورت کو ذلیل اور حقیر سمجھنے لگتے ہیں کہ جس کی کمزوریوں سے خود ہی فائدہ اٹھایا ہے۔ اسی طرح وہ عورتیں جو اپنی غرض کے لئے کسی مرد کو مختلف طریقوں سے ترغیب اور تحریص میں مبتلا کرلیتی ہیں چند روز بعد خود اسی مرد سے محض اسی بناء پر متنفر ہو جاتی ہیں کہ وہ انکے سامنے اپنی کمزوری کا اظہار کر چکا ہے۔ فحش کیلئے کامل آزادی دیدینے کا نتیجہ بے حیائی اور فساد تو نکلتا ہی ہے لیکن اسکے علاوہ ایک بہت ہی برا نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ کسی مرد کو کسی عورت پر اور کسی عورت کو کسی مرد پر قطعاً اعتبار اور اعتماد نہیں رہتا اور مرد و عورت دونوں دوسرے فریق کی اس کمزوری سے واقف ہوتے ہیں کہ اسے بآسانی پھندے میں پھنسایا جا سکتا ہے۔ مرد کو یہ خیال رہتا ہے کہ جسطرح اس عورت کو میں نے اپنے دام فریب میں پھانس لیا اور یہ پھنس گئی اسی طرح یہ دوسروں کے فریب میں بھی پھنس سکتی ہے، اور عورت کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ جس طرح اس مرد کو میری ادائیں اور میری فریب کاریاں اپنے جال میں لے آئیں اسی طرح ہر عورت اسکی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان خیالات کا نتیجہ اسکے سوا اور کچھ نہیں نکل سکتا کہ مرد اور عورت ایک دوسرے سے محبت کی بجائے نفرت کرنے لگیں اور گو بعض مصلحتیں

انہیں پھر بھی یکجا رہنے پر مجبور کردیں لیکن ان دونوں کی زندگی سرتاسر ایک داستان الم بن جاتی ہے۔ اور ایک مرد یا ایک عورت سے شروع ہوکر یہ نفرت اس قدر بڑھتی ہے کہ فریق ثانی کے پورے فرقہ ہی سے نفرت ہوجاتی ہے اور تقریباً یہی حالت ہے جو ہم آج یورپ میں روزنا دیکھ رہے ہیں۔ اب وہاں ایک مرد اور ایک عورت سے مل کر ایک انسانی زندگی مکمل نہیں ہوتی بلکہ سرمایہ داروں اور مزدوروں کے جھگڑے کی طرح مرد اور عورت کا جھگڑا بھی شروع ہوگیا ہے اور مرد و عورت دونوں اپنے اپنے فرقہ کے حقوق کو دوسرے کے حقوق سے الگ خیال کرکے ان کے لئے باہم لڑنے اور جھگڑنے لگے ہیں۔ یہ آپادھاپی اور یہ باہمی منافرت پیروان اسلام میں کبھی پیدا نہیں ہوسکتی اگر احکام اسلام کی پوری پابندی کی جائے اور فحش کے ان مواقع سے پورے طور پر بچا جائے جن سے اسلام نے بچانا چاہا ہے۔

امہات المومنین یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو جنکی زندگی تمام مسلمان عورتوں کے لئے نمونہ ہونی چاہئے یہ حکم ملا تھا کہ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا یعنی اے پیغمبر کی بیویو تم دوسری عورتوں کی طرح (یعنی جاہل آوارہ عورتوں کی طرح) نہیں ہو۔ اگر تم اپنا بچاؤ چاہتی ہو تو غیر مردوں کے ساتھ دبی دبی اور کمزور آواز سے باتیں نہ کیا کرو کیونکہ اس طرح دب دب کر اور جھجک جھجک کر گفتگو کرنے سے ایسے لوگوں کو لالچ پیدا ہوتا ہے جن کے دل میں کچھ کھوٹ ہو اور ان سے کھری کھری صاف باتیں کیا کرو۔ خدائے پاک کے اس حکم سے عورتوں کے متعلق جو کچھ منشاء ایزدی ہے وہ اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔ اسلام کو یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ عورتیں جب مردوں سے بات چیت کریں تو ان کی آواز میں بھی کسی قسم کی کمزوری یا جھجک ہو کہ جس سے مرد دلیر ہوجائیں اور انکے دل میں انکی آبروریزی کا

خیال پیدا ہو سکے - اسلام کو کسی حالت اور کسی صورت میں بھی یہ گوارا نہیں ہے کہ عورت جو دنیائے انسانی کا نصف جزو ہے اور اسی قدر اہم جزو ہے کہ جیسے ایک مرد' وہ جزو ثانی کی نگاہوں میں بے وقعت اور ذلیل ہو جائے۔ اسی طرح اسے یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ عورت اپنے آپ کو مرد سے علیحدہ کوئی چیز خیال کر کے اس سے مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو جائے اسی لئے اس نے دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق صاف صاف بتا دیئے ہیں تاکہ دونوں نکاح کے بعد آپس میں شیر وشکر ہو کر رہیں اور اس طرح منشاء قدرت کی تکمیل ہوتی رہے - عورت اور مرد دونوں کے لئے یہ دنیا اسی حالت میں بہشت بن سکتی ہے کہ جب دونوں مل کر ایک انسانی زندگی کو پورا کریں' ورنہ جب وقت تک عورت اپنی زندگی الگ اور مرد اپنی زندگی الگ خیال کرتے ہیں' اور مردوں کو صرف مردوں کے حقوق سے اور عورتوں کو صرف عورتوں کے حقوق سے دلچسپی ہے اس وقت تک باہمی نفاق اور افتراق دور نہیں ہو سکتا اور جب تک مردوں کا مقصد عورتوں کو فریب میں لانا اور عورتوں کا نصب العین مردوں کو پھانسنا ہے اس وقت تک وہ پُرامن اور لذت بخش زندگی ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی جس کی ہر مرد اور ہر عورت کو جستجو اور آرزو ہونی چاہئے -